جلد 13 شمارہ 1 دسمبر 2010ء محرم الحرام 1432ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

منشور دعوت

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الأَرضِ إِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزقُھا وَیَعلَمُ
مُستَقَرَّھَا وَمُستَودَعَھَا کُلٌّ فِی کِتَابٍ مُّبِینٍ

(ھود۔6)

ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اِسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔
سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

ماہنامہ
آدمیت فلاح گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا
نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد
تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570
ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت
خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— 25/- روپے
سالانہ فنڈ ———— 250/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

القصص

نام

اِس سورۃ میں ایک مقام پر لفظ ''القصص'' کے ذکر کی مناسبت سے یہ اس کا علامتی نام قرار دیا گیا۔

زمانہ نزول

شعب ابی طالب کے محاصرے کا دور اِس سورۃ کا زمانہ نزول بیان کیا گیا ہے۔

مضامین

اس سورۃ میں اہل مکہ کے چند شبہات واعتراضات کا ازالہ کیا گیا ہے اور بطور تمثیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے موجودہ دور کی مماثلت اور دیگر اعتراضات کا از خود جواب ہو جاتا ہے۔

مثلاً!

(الف) آغاز میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے قصے کا ذکر کیا اور آپؑ کی تربیت کے دور کی جانب اشارہ کر کے یہ فرمایا کہ قادرِ مطلق کے ہاں جب کسی بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو حالات لاکھ ناموافق اور نا مساعد ہوں، وہ کام ہو کر رہتا ہے۔ مثلاً اِس دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اس دشمن کے گھر میں کرانا جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہی موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے لرزاں و ترساں تھا۔ جیسے یہ سب کچھ ہو کر رہا، اِسی طرح حضرت محمد ﷺ کی کامیابی کا فیصلہ اللہ کے ہاں اٹل تھا۔ اس وقت کے نامساعد حالات اس میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

(ب) جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا وقت آیا تو اِس وقت کسی بڑے جشن کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ مسافرت کی زندگی میں جب آگ کی ضرورت پڑی اور آگ کی تلاس میں پہاڑ پر پہنچے تو وہیں نبوت سے سے سرفراز کر دیئے گئے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کسی فرد سے کام لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے پاس قوت و طاقت اور لاؤ لشکر ایسے اسباب کا موجود ہونا اس کیلئے ضروری نہیں رہتا اور اسباب و وسائل کی کمیابی اس کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ بطور شاہد ذکر کیا گیا ہے۔

(د) اہل مکہ کا مطالبہ تھا کہ محمد (ﷺ) موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات (عصا اور ید بیضا) کیوں نہیں دکھاتے؟

اِس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ معجزات دیکھے تھے، وہ لوگ بھی تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے تھے۔ کیا ضروری ہے کہ تم اِس قسم کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آ ؤ؟ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان معجزات کو جادو قرار دیا اور اسی لئے ساری قوم غرقاب ہو گئی۔ اب تم لوگ معجزات مانگ کر اپنی بربادی کو خود دعوت کیوں دے رہے ہو؟ کیونکہ جب کوئی قوم معجزات کا مطالبہ کرے اور پھر معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔

(ہ) کفارِ مکہ کو عیسائیوں کے تذکرے سے شرم دلائی کہ وہ باہر سے آ کر مکہ میں ایمان قبول کر کے رحمتِ الٰہی کے مستحق بن رہے ہیں اور تم اپنے گھر میں موجود رحمت کو بھی نہ سمیٹ سکے حالانکہ محمد ﷺ کا وجود ہی سراپا رحمت ہے۔

(و) اِس سورت میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے کہ ہزاروں برس قبل رونما ہونے والا واقعہ من وعن سنا رہے ہیں۔ جبکہ اہل مکہ اور خود یہود بھی اس سارے واقعہ کی تفصیلات سے بے بہرہ ہیں۔ نہ کوئی اور ایسا ذریعہ علم ہے جس کے سبب یہ ساری معلومات اکٹھی ہو سکیں۔ یہ خبر اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ مالک حقیقی اپنے نبی کو یہ ساری تفصیلات بذریعہ وحی بتا رہے ہیں۔

(ی) سورۃ کے آخر میں اہل مکہ کے ایک عذر کا ازالہ کیا گیا ہے۔

"اگر ہم ایک دم اپنے آبائی دین کو ترک کر کے اس نئے دین کو اپنا لیں گے تو اس سے ملک عرب میں جو ہماری شہرت اور عقیدت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے، وہ یک لخت ختم ہو جائے گی"۔

اِس واہمے کے جواب کے طور پر واضح کیا کہ حق و باطل کا فیصلہ دنیوی مفادات کے پیشِ نظر نہیں بلکہ اخروی زندگی کی بہتری کی بنیاد پر ہونا چاہئے جو حقیقی زندگی ہے۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں اعمالِ صالحہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی رغبت دلائی اور مومنین کے وصفِ کامل کے ذیل میں فرمایا کہ وہ بے کار اور بیہودہ اعمال سے اعراض کرتے ہیں اور سلامتی کی راہ پر چلتے ہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسیٰ علیہ السلام کی ولادت

سورۃ کے آغاز میں فرعون کے ظلم وستم کا ذکر ہے جس نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہر مذکر نومولود کو قتل کر دیا جائے۔ ایسے ہی دور میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور آپ کی والدہ کو یہ ترکیب سجھائی گئی کہ لکڑی کے صندوق میں آپ کو بٹھا کر دریا کے حوالے کر دیا جائے۔ ماں کی ممتا یہ کیسے گوارا کرتی ؟ مگر اِس کے علاوہ بچاؤ کا چارہ کار بھی نہ تھا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ صندوق اس نہر کے ذریعہ سے فرعون کے محل میں جا پہنچا۔ فرعون کی اہلیہ نے اِس تابوت میں جب ایک خوبرو اور خوبصورت بچے کو دیکھا تو اپنی محرومی اور بے بسی پر اس کو بہت رونا آیا اور دل میں ٹھان لی کہ اِس بچے کی پرورش وہ اپنی نگرانی میں کرائے گی۔ یوں آپ قتل ہونے سے بچ گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ آپ اپنی ماں ہی کی گود میں پرورش کیلئے لوٹا دیئے گئے۔ یعنی ماں کی ممتا کی تسکین بھی ہوگئی اور فرعون کی شر کا ڈر بھی دل سے نکل گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

طٰسٓمّٓ (1) تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ (2) نَتْلُوا عَلَیْکَ مِن نَّبَإِ مُوسَی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُؤْمِنُونَ (3) إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِیْ الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِیَعاً یَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ أَبْنَاء هُمْ وَیَسْتَحْیِیْ نِسَاء هُمْ إِنَّهُ

كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (4) وَنُرِيْدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا فِيْ الْأَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ (5) وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِيْ الْأَرْضِ وَنُرِيْ
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ (6) وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ
مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيْهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِيْ الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ إِنَّا
رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (7) فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ
عَدُوّاً وَحَزَناً إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِيْنَ (8) وَقَالَتِ
امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَى أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ
وَلَداً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (9) وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَى فَارِغاً إِن كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهِ
لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَى قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (10) وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيْهِ
فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (11) وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن
قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ (12)
فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (13)

”یہ روشن کتاب کی آیات ہیں، ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو (سنانے) کے لئے بتاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اِس میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں ذلیل کر کے رکھتے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون او رہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔ ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اِس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھے ان کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر۔ ہم اِسے تیرے ہی پاس

واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔ آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے (دریا سے) نکال لیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کیلئے سبب رنج بنے۔ واقعی فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر (اپنی تدبیر میں) بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا: یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو۔ کیا عجیب کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ یا ہم اسے اپنا لڑکا ہی بنالیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ اِدھر موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔ وہ اِس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ وہ الگ سے اس کو اس طرح دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اسکا پتہ نہ چلا اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں۔ (یہ حالت دیکھ کر) اس لڑکی نے ان سے کہا: میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اِسے رکھیں؟ اس طرح ہم (موسیٰ) کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اِس بات کو نہیں جانتے''۔

ظلم کی حکمرانی اور اس کے خلاف جہاد

آپ جوانی اور شعور کے دور میں داخل ہوئے تو آپ نے ہر طرف ظلم و جور کی حکمرانی دیکھی جس سے آپ کو شدید نفرت ہوئی۔ اِس ظلم کے خاتمے کی تدبیریں آپ سوچتے۔ ایک روز آپ نے سر بازار ایک قبطی شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بنی اسرائیل پر زیادتی کر رہا تھا۔ اِس بنی اسرائیل نے آپکو دیکھا تو امداد طلب کی۔ آپ نے قبطی آدمی کو دھکا دے کر الگ کرنا چاہا تو اس پر ہاتھ اُٹھ گیا۔ اس سے قبطی کی موت واقع ہوگئی۔ اِس خبر کے ساتھ ہی دربار میں ہل چل مچ گئی مگر قاتلوں کا کھوج نہ مل سکا۔ دوسرے روز آپ پھر بازار کی جانب نکلے تو دیکھا کہ وہی بنی اسرائیل پھر ایک اور قبطی کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پھر مدد چاہی۔ آپ ان کو چھڑانے کیلئے آگے بڑھے تو وہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام آج مجھ سے ناراض ہوں گے۔ تو اِس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے:۔

أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْساً بِالْأَمْسِ (19)

''جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو''۔

ہجرت

اِن الفاظ کی بازگشت دربار میں سنی گئی اور پھر سے دربار میں اِس بات پر غور وفکر شروع ہو گیا اور پھر فیصلہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو گرفت میں لے کر حالات درست کئے جائیں۔ اِدھر موسیٰ علیہ السلام کے کسی خیر خواہ نے یہ بات ان تک پہنچا دی۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً ہی شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔

مدین میں قیام اور روزگار

آپ ہجرت کر کے مدین پہنچے اور وہاں آپ نے دو بچیوں کو کنویں میں سے پانی نکال کر دیا تو مدین کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی بچیوں میں سے ایک نے ان الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش کی۔

يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ (26)

''ابا جان اس کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیجئے کہ ملازمت کیلئے بہترین شخص وہ ہوتا ہے جو قوی اور امین ہو''۔

قوی کا مطلب ہے کہ اِس میں کام کرنے کی قوت ہو۔ فنی مہارت وصلاحیت ہو اور امین سے مراد یہ ہے کہ وہ ایماندار بھی ہو۔ جب انسان کے اندر یہ دو صلاحیتیں ہوں تو وہ بہترین شخص بن جاتا ہے۔ یہی بات حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کہی تھی:۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلَى خَزَآئِنِ الْأَرْضِ إِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (55)

''مجھے اپنی زمین کے خزانوں پر نگران بنا دو کیونکہ میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں''۔

وہ معاشرہ جس میں صرف فنی مہارت کی تربیت دی جائے اور امانت و دیانت کی تربیت نہ دی جائے تو وہ رشوت، بددیانتی اور کرپشن کا شکار ہو جاتا ہے۔

منصبِ نبوت

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں قیام کیا اور شعیب علیہ السلام کے وہاں رہنے لگے۔ جس مدت تک کیلئے معاہدہ ہوا تھا، اس کے مکمل ہونے کے بعد آپ کی شادی حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے کر دی گئی۔ چنانچہ آپ اپنی اہلیہ کو لے کر اپنے وطن کی جانب چلے۔ راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ سردی کے باعث آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو دور پہاڑ کی چوٹی پر آگ دہکتی نظر آئی۔ آپ اس آگ کی تلاش میں چل نکلے جب اس جگہ پہنچے تو غیب سے ندا آئی جسکا ذکر یوں ہے:۔

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (30)

''جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ پر ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ ربُّ العالمین ہوں''۔

گویا شرفِ ہمکلامی کے بعد منصب رسالت پر فائز کر دیا گیا اور تائید کیلئے معجزات عطا ہوئے۔ اور آپ کو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سمیت فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا اور پیغام حق سنانے کیلئے ہدایات دی گئیں۔

فرعون کی جہالت

فرعون نے بھرے دربار میں سب کچھ دیکھا اور سنا تو اس کو جواب بن نہ پڑا اور اس نے اپنی خفت و شرمندگی مٹانے کیلئے اہل دربار کو یوں مخاطب کیا:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ (38)

''اور فرعون نے کہا کہ اے اہل دربار! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی معبود کو نہیں جانتا۔ اے ہامان! ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت تو بنواؤ۔ شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ

کے معبود کو دیکھ سکوں۔ میں تو اِسے جھوٹا سمجھتا ہوں''۔

موجودہ دور کی جہالت

فرعون کا یہ ایک انداز تھا جس میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ یہ ساڑھے 3 ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ اس دور کی جہالت تھی۔ لیکن موجودہ دور کی جہالت بھی کچھ کم نہیں ہے۔

ماسکو سے اوپر آسمان کی طرف سپٹنگ بھیجے گئے۔ جب خلاء میں گئے تو کہنے لگے کہ اوپر اللہ تو کہیں نظر نہیں آیا۔ ہم نے خلاء میں اِسے ڈھونڈا مگر نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ جاہل انسان کی جو ذہنیت ساڑھے تین ہزار سال پہلے تھی، سائنس پڑھنے کے باوجود آج بھی وہی ہے۔

علم ہی ٹھہرا علم کا باغی
عقل ہی ٹھہری عقل کی دشمن

فرعون کا انجامِ بد

فرعون اپنی انانیت کے زعم میں غرقاب ہوا اور اپنی رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کیلئے نشانِ عبرت بنا۔

وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ (42)

''اور اِس دنیا میں ہم نے اِن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن کے بھی وہ بد حال ہوں گے''۔

قرآن کی تمام الہامی کتب پر برتری

فرعون کی ہٹ دھرمی کا انجام بیان کر کے موسیٰ علیہ السلام کے متفرق حالات مذکور ہیں اور پھر اہل مکہ کو مقصد نبوت سمجھانے کیلئے یوں ارشاد فرمایا:۔

وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولاً فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (47)

''(اور اے رسول! ہم نے آپ کو اِس لئے بھیجا ہے کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ان کے اعمال

کے سبب جو اِن کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، اِن پر کوئی مصیبت واقع کریں تو یہ کہنے لگیں کہ ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا گیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہوجاتے''۔

لیکن یہ اہل مکہ اِس قدر ہٹ دھرم تھے کہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود ہر روز نیا عذر اور نئی فرمائش لے کر حاضر ہوتے۔ اِس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا کہ قرآنِ مجید کو سن کر کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جیسی کتاب اُتری تھی، ایسی کتاب کیوں نہیں؟ یعنی یکبارگی اور تختیوں پر کندہ حسی شکل میں کتاب نازل کیوں نہیں ہوتی۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا:۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (49) فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (50)

''اے نبی (ﷺ) اِن سے کہو کہ اچھا تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب جو اِن دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو، اگر تم سچے ہو، میں اسی کی پیروی اختیار کروں گا۔ اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا''۔

پہلی بات تو یہ کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ لوگوں کو یہ چیلنج دیتے ہیں کہ تمہارے پاس توریت تھی اور اب اِس کا آخری ایڈیشن قرآن کی شکل میں آ گیا ہے۔ اب دیکھو! اِن دونوں سے بڑھ کر اچھی، صحیح اور ہادی کتاب تمہارے پاس ہے تو لے آؤ، میں اِس کی پیروی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا نہ کرسکیں گے اور اگر یہ ایسا نہ کرسکیں تو پھر ایک بات یہ ہے کہ پیروی یا تو اللہ کی کتاب کی ہوتی ہے یا خواہشاتِ نفس کی۔ اِس کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہوتی۔

اہل کتاب میں مومنوں کا ایک طبقہ

اِس وضاحت کے بعد اہل کتاب کے اِس طبقے کا ذکر ہے جو قرآن کی حقانیت کو دیکھ کر

ایمان قبول کر چکے تھے۔ان کے انجام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (54) وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (55)

''اِن لوگوں کو دُگنا بدلہ دیا جائے گا۔کیونکہ وہ صبر کرتے رہے اور نیکی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اِس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اِس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔تم کو سلام اور ہم جاہلوں کے چاہنے والے نہیں''۔

اہل ایمان کی صفات

آیاتِ مذکورہ میں ان نیک فطرت اہل کتاب کی چند صفات مذکور ہیں جس کے باعث اِنکو اجرو ثواب دیا جائے گا۔

1۔ صبر۔
2۔ برائی کو احسن طریقے سے دور کرنا
3۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال اِس کی راہ میں خرچ کرنا۔
4۔ جہالت اور جاہلوں سے کنارہ کشی۔

قیامت کے روز نسبی تعلق کام نہ آئے گا

اِس کے بعد ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قریبی نسبی تعلق رکھتا تھا مگر ایمان اس کے نصیب میں نہ تھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (56)

''اے نبیؐ! تم جسے چاہو،اسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے،ہدایت دیتا ہے اور ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں''۔

اِس آیت کے شانِ نزول میں لکھا گیا کہ حضور ﷺ کی بے پناہ خواہش تھی کہ ان کے چچا ابو طالب کم از کم مرتے وقت اسلام قبول کر لیں۔ جب اِن کا آخری وقت آیا تو آپ ﷺ نے کہا کہ چچا! میرے کان ہی میں کہہ دیں کہ میں نے اسلام قبول کیا اور کلمہ پڑھ لیں تا کہ میں اللہ کے سامنے تمہارے اِس کلمے کی وجہ سے شفاعت تو کر سکوں۔ ابو جہل اور دوسرے لوگ بھی اِس وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا، ابو طالب! کیا مرتے وقت باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے؟

ہدایت دینا یک طرفہ کاروائی نہیں

ابو طالب اِسی دین پر فوت ہو گئے جو ان کے باپ دادا کا دین تھا۔ حضور ﷺ کو اِس بات پر بہت غم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (56)

''اے محمدؐ! آپ جسے چاہیں، ہدایت اِس کے دل میں نہیں ڈال سکتے، ہاں! اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے''۔

تو اِس سے معلوم ہوا کہ ہدایت یک طرفہ کاروائی کا نام نہیں ہے۔ اللہ کا رسول، اللہ کا نبی چاہے بھی تو اپنے چچا کو، اپنے والد کو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ہے یا اپنے بیٹے کو جیسا کہ نوح علیہ السلام کا معاملہ ہے، ان کی خواہش اور طلب کے بغیر انہیں ہدایت پر عملی طور پر نہیں ڈال سکتا، کیونکہ ہدایت دو طرفہ کاروائی ہے۔ دوسری طرف سے طلب ہو گی تو اِس طرف سے ہدایت پہنچ جائے گی۔ اگر طلب نہیں ہے تو ہدایت نہیں پہنچے گی خواہ وہ سگا بیٹا ہو، سگا والد ہو یا سگا چچا۔ اِس کی مثال پر غور کریں۔

ہدایت طلبی پر اہم مثال

آپکے پاس ایک ریڈیو سیٹ ہے۔ جب آپ اس کا سوئچ آن کر دیں تو ریڈیو اسٹیشن سے آواز آنے لگے گی۔ اِس لئے کہ اس کمرے کی فضاء میں ریڈیائی لہریں موجود ہیں۔ جونہی ہم سوئچ آن کریں گے، آواز آ جائے گی۔ آپ ریڈیو اسٹیشن کے بالکل بغل میں ہوں اور آپ

نے ریڈیو کا سوئچ آف کیا ہوا ہو تو آواز نہیں آئے گی۔ بالکل یہی نظام اِدھر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت فضاء میں ہر سو چھائی ہوئی ہے۔ اگر ہم ہی دل کا دروازہ بند کر دیں تو ہم رحمت سے محروم ہی رہیں گے۔ اِسی طرح اگر موسلا دھار بارش ہو لیکن ہم نے برتن اوندھا رکھا ہوا ہو تو ایک قطرہ بھی اس کے اندر نہیں آئے گا۔ اِسی طرح اللہ کی رحمت آفتاب رسالت کی شکل میں ہو، یعنی ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں ہو اور دوسری طرف دل ابو جہل کا ہو جس کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں مانیں گے، تو آفتاب رسالت چمکتا دمکتا رہے گا مگر روشنی اندر نہیں جائے گی کیونکہ دوطرفہ معاملہ ہے۔ ایک طرف سے طلب ہو اور دوسری طرف نشر کرنے والے ہوں تو کام بنے گا، پیغام پہنچ جائے گا۔ یہاں پر یہی بات بتائی گئی ہے کہ جب تک طلب صادق نہیں ہو گی، اللہ اور اللہ کا رسول بھی اِس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا۔

اِس کے بعد پھر پہلی ہلاک شدہ بستیوں کا اجمالی ذکر ہے اور یہ وضاحت بھی کہ ہم ہلاکت سے قبل ہر قوم کو حقائق سمجھانے کیلئے رسول ضرور بھیجا کرتے ہیں تا کہ وہ دنیا والوں کو اس دنیا کی بے ثباتی کا ذکر سنا دے۔ (جاری ہے)

(درس حدیث)

چند احکامِ حج

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

گذشتہ ذی الحجہ میں لاکھوں مسلمانوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ حج صاحب استطاعت مسلمانوں پر عمر میں ایک بار فرض ہے۔لیکن تنہا حج ہی فرض نہیں،فرائض کچھ اور بھی ہیں۔حج تو عبادات (مناسک) کا ایک جزو ہے اور خود عبادات (مراسم پرستش) زندگی کے دوسرے فرائض کا صرف ایک جزو ہے۔زندگی ایک وحدت ہے اور اس کی تمام خانے آپس میں ایک دوسرے سے ایسے پیوستہ ہیں کہ ان کو جدا جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ایک کمرے میں اگر چار چراغ جل رہے ہوں تو ان سب کی روشنی مل کر ایک وحدت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اسی طرح زندگی کے سارے فرائض بھی باہم مل کر ایک ناقابل تقسیم وحدت بن جاتے ہیں۔حج محض پوجا پاٹ کے چند مراسم نہیں۔اِس کے ساتھ اخلاقی قدریں بھی ہیں۔بین الاقوامی اندازِ فکر بھی ہے۔درسِ دیوانگی بھی ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔حضورﷺ نے فرمایا:۔

من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم و لدتہ اُمہ۔

جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی شہوانی اور فاسقانہ بات نہ کرے۔وہ اسی طرح لوٹ کر آتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو۔

یہ عین قرآن کی ترجمانی ہے۔قرآن حاجیوں کو حکم دیتا ہے کہ:

ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔

''حج میں رفث،فسوق اور جدال کی کوئی بات نہ ہو''

ارشادِ نبویؐ میں اِسی اندازِ حج کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایسا حاجی تو گویا نومولود بچے کی طرح پاک صاف ہوتا ہے۔گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اگر حج میں اِن اخلاقی قدروں کا لحاظ نہ ہو تو ''باز آید ہنوز خر باشد'' جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آجائے گا۔

حج کے ساتھ حقوق العباد بھی وابستہ ہیں بلکہ یوں کہیے کہ حقوق العباد مقدم ہیں اور حج مؤخر۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ۔

ان رجلا قال للنبی ﷺ حجة الاسلام و علی دین ۔ قال اقض دینك (زرین)

''ایک شخص نے حضورﷺ سے عرض کیا کہ مجھ پر حج بھی فرض ہے اور مجھ پر قرض بھی ہے۔ فرمایا: پہلے قرض ادا کرو''۔

اِس حدیث میں قرض کو فرض پر مقدم رکھا گیا ہے۔یعنی حقوق العباد پہلے اور حق اللہ بعد میں۔یا یوں کہیے کہ اگر زادِ راہ قرض میں ڈوبا ہوا ہو تو حج فرض ہی نہیں ہوتا۔

اِسی طرح حج ایک بین المِلی اجتماع بھی ہے۔اسلام سیاسی مقاصد کیلئے الگ اجتماع اور مذہبی رسوم کیلئے علیٰحدہ جلسے کا قائل نہیں۔وہ روحانی اور مادی دونوں ضرورتوں کو ایک ساتھ لے کر چلتا ہے۔اور ایک ہی اجتماع سے یہ سارے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔حج کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ اسود و احمر، عرب و عجم جتنے کلمہ گو ہیں وہ اپنی تمام ادنیٰ تفریقوں کو مٹادیں اور سر جوڑ کر بیٹھیں۔ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ایک دوسرے کا دُکھ درد سن کر اس کا مداوا کریں۔ کمزوروں کا سہارا بنیں۔ظالم کا ہاتھ پکڑ لیں۔آپس میں تجارتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی رابطے کو مستحکم کریں اور امامتِ اقوام کا حق ادا کریں۔یہ سارے بلند مقاصد عین روحانی مقاصد ہیں۔ اور ان تمام فوائد کی طرف قرآن نے یوں اشارہ کیا ہے کہ:۔

لیشهد وا منافع لهم ''تا کہ لوگ اپنے فوائد کا مشاہدہ کریں''۔

غرض حج محض ایک ''یاترا'' یا ''زیارت'' نہیں۔یہ ایک ایسی عظیم الشان کانفرنس ہے جو روحانی و مادی تمام منافع کو ایک ساتھ اپنی آغوش میں لیے ہوتی ہے۔

اِس کے بعد حج کا ایک بڑا اہم پہلو اور بھی قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ حج عشق کا درس، دیوانگی کا سبق اور از خود رفتگی و پروانگی کی تعلیم بھی ہے۔عقل کی ساری باتیں موجود ہونے کے

باوجود اِس عبادت میں عشق کا عنصر بہت غالب ہے۔ایک بے سلا لباس پہننا، ایک گھر کے گرد چکر کاٹنا، صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا، عرفات کے میدان میں کیمپ لگانا، منٰی میں جا کر کنکریاں چُننا اور پھینکنا وغیرہ یہ سب کچھ عقل سے زیادہ جذباتِ عشق کی آمیزش اپنے اندر رکھتا ہے۔ عشق بھی ایسا جو مجاہدانہ لگن سے بھر پور ہو۔

اگر آپ نماز کے اندر رکوع سے پہلے سجدہ یا سجدے سے پہلے قعدہ کریں تو نماز کی ترتیب میں جو عقلی نزاکت موجود ہے وہ اِس بے ترتیبی اور اِس تقدیم و تاخیر کو گوارا نہ کرے گی۔ لیکن حج میں چونکہ عشق کا عنصر غالب ہے اس لئے اس کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر پر بھی زیادہ گرفت نہیں۔

نالہ پابندِ نے نہیں ہے　　　فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

اِس سلسلے میں ایک حدیث سنیے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللّٰہ ﷺ وقف فی حجۃ الوداع بمنی للناس یسئلونہ فجاء ہ رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج فجاء ہ اخر فقال لم اشعر فخرت قبل ان ارمی قال ادم ولا حرج فما سئل یومئذ عن شیء قدم اواخر الا قال افعل ولا حرج۔ (رواہ الستۃ)

آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منٰی میں ٹھہرے اور لوگوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کیے۔ ایک آیا اور بولا: مجھے معلوم نہیں تھا میں نے قربانی سے پہلے ہی سر منڈوا لیا۔ فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں، اب قربانی کر لو۔ دوسرا آ کر کہنے لگا۔ مجھے علم نہ تھا اور میں نے رمی سے پہلے ہی قربانی دے دی۔ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں، اب رمی کر لو۔ غرض اِس دن کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق پوچھا گیا ہو اور حضور ﷺ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ: کوئی مضائقہ نہیں اب کر لو۔

ایک اور حدیث بھی سنیے۔سعید بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

لفتا مع رسول الله ﷺ فمنا من طاف سبعًا ومنا من طاف ثمانی ومنامن طاف اکثر من ذلك فقال ﷺ لا حرج۔

ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ طواف کیا۔ہم میں سے بعض نے سات طواف کیے۔بعض نے آٹھ اور بعض نے اِس سے بھی زیادہ۔حضور ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی مضائقہ نہیں۔

اگر آپ مغرب کی تین رکعتوں کی بجائے چار یا دو رکعتیں پڑھ لیں تو نماز دُہرانی پڑے گی۔ لیکن حج میں عشق کا عنصر غالب ہے اور عشق کی بہت سی غلطیاں قابل معافی ہوتی ہیں اِس لئے تقدیم و تاخیر کی طرح تعداد کی غلطیاں بھی قابل درگزر سمجھی گئیں۔

اِس میں یہ حقیقت بھی مستور ہے کہ مناسک (تمام طرح کی عبادات) کا اصلی مقصود ایک خاص روح ہے نہ کہ محض ظاہری شکل ادا۔اگر روح موجود ہو اور شکل ادا میں کچھ کسر رہ جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔لیکن اگر اِس کی روح ہی غائب ہو تو ظواہر کا پورا پورا لحاظ بھی زیادہ سودمند نہیں ہوتا۔مناسک کی اسپرٹ اصل اور اِس کی صورتِ ادا فرع ہے اور ظاہر ہے کہ اصل اور فرع پر یکساں زور نہیں دیا جا سکتا۔

دین اور عبادت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خوف وحزن سے نجات پایئے

اللہ حکیم وخبیر کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے رزق کے معاملے میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تا کہ تم ایک دوسرے سے کام لے سکو۔اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کا رزق ہم چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کا چاہتے ہیں کم کر دیتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان وتوکل اور اس کی عبادت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس بانٹ کو دل و جان سے قبول کر لیں اور ہمارے مالک نے ہمارے لئے جو بھی مقام ومرتبہ مقدر کر رکھا ہے اس پر سچے دل سے خوش رہیں۔اس کے اس فرمان کے بعد کہ ''روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے مگر اسے رزق پہنچانا اللہ کا ذمہ ہے''۔ہمیں رزق کے معاملے میں قطعی فکرمند نہیں ہونا چاہئے۔ بقول علامہ اقبالؒ

گر خدا داری زغم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

یعنی اگر اللہ تیرا آقا ورب ہے اور تو صدق دل سے اسے اپنا کارساز اور اپنا رازق تسلیم کرتا ہے تو تجھے ہر غم سے آزاد ہونا چاہئے اور رزق میں کمی بیشی کی فکر سے بھی فارغ ہونا چاہئے۔اہل ایمان کو غم روزگار اور اندیشہ ہائے دور ودراز کے اندھیروں سے نجات دلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر قبل اس کے ہم اس کو پیدا کریں وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔یہ اللہ کے لئے آسان ہے تا کہ جو چیز تم سے چھن جائے اس کا غم نہ کیا کرو اور جو کچھ تم کو دیا جائے اس پر اترایا نہ کرو۔ (سورۃ الحدید 22 تا 23)

اسی طرح مومن کو نہ ماضی کی محرومیوں پر کوئی افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی وہ مستقبل کے بارے

میں کبھی خوف زدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا وہ ویسے ہی ہونا تھا اور جو آئندہ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا تو پھر میں کیوں فکر کروں اس طرح وہ فعال لیکن مطمئن زندگی بسر کرتا ہے۔ کامیاب اور بھرپور زندگی گذارنے کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ انسان خوف وحزن سے نجات حاصل کرے کیونکہ خوف وحزن انسانی اُمنگوں اور صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر حوصلوں کو پست کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں سے اسلام دشمن طاقتوں کا خوف دور کرنے کیلئے فرماتا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o (ال عمران۔175)

''یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا''۔

دین اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کے خوف سے نجات دلا کر **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کے زمرہ میں شامل کر دیتا ہے۔ کلمہ طیبہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی اور رہنما اصول ہے اس کے پہلے حصے **لا الہ لا اللّٰہ** کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آقا و حکمران اور نفع ونقصان کا مالک نہ مانا جائے اور اس کے سوا نہ کسی سے ڈرا جائے اور نہ کوئی توقع رکھی جائے۔ مختلف عقائد و مذاہب کی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ انسان نے جس ہستی اور قوت سے خوف محسوس کیا اسی کے سامنے سربسجود ہو کر اسے اپنا معبود بنا لیا۔ گویا شرک کو خوف نے ہی جنم دیا۔ اس لئے عقیدہ توحید کے ماننے والوں کیلئے تکمیل ایمان کی خاطر ہر قسم کے خوف سے چھٹکارا حاصل کرنا ناگزیر ہے کیونکہ ماسواء اللہ کا خوف اگر دل میں باقی رہے تو شرک سے مکمل نجات ناممکن ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ **وَرَاءَ كُلِّ خَوْفٍ شِرْكٌ** یعنی ہر خوف کے پیچھے شرک کارفرما ہوتا ہے۔

رمز پیغام محمدؐ جو سمجھ جاؤ گے
شرک کو خوف کے پردے میں چھپا پاؤ گے

اللہ تعالیٰ کی رزق کی تقسیم کو قبول کر کے اس کا جاں نثار اور شکر گذار بندہ بننے میں ہمارے نفس کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات ہی آڑے آ رہی ہیں۔ کیونکہ ہم تسلیم و رضا اور استغناء کی روش ترک کر کے مالی لحاظ سے اپنے سے بہتر لوگوں پر نظریں جمائے رکھتے اور ان کی جگہ لینے کیلئے بیتاب رہتے ہیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اگر ہر کوئی اسی انداز میں سوچے گا تو کوئی فرد واحد بھی اپنی موجودہ حالت پر کبھی خوش نہیں ہوگا۔ صوفیائے کرام ہمیں اللہ تعالیٰ کا ذکر تلقین فرماتے ہیں تو اسکے ساتھ قطع ماسواء اللہ اور تسلیم و رضا کا مجاہدہ کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں تاکہ ہماری زندگی کا مقصود و مطلوب و محبوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بن جائے اور ہماری زندگی میں جو واقعات ہماری مرضی کے خلاف واقع ہوں انہیں اللہ کی طرف سے جانتے ہوئے ان پر خوش رہنے کی عادت ڈال لیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں ذکر کے ساتھ ہی شکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے جس میں شکوہ و شکایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس بندے کا دل اپنے آقا کے فیصلے قبول کرنے سے انکار کر دے اسے زبانی ذکر کی تکرار سے اطمینان قلب کی دولت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ گوہر نایاب تو ان خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہتے ہیں۔

محبت سے بھرپور بندگی اسی کا نام ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ان پر ہم پوری مستعدی کے ساتھ عمل کریں کیونکہ ان کی اطاعت ہمارے بس میں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کام ہیں اور ہمارے بس میں نہیں ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ان پر ہمیشہ خوش رہیں۔ اس مقام پر حصول برکت اور بندگی کے مفہوم کی مزید وضاحت کیلئے میں اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی کتاب چراغ راہ سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمیں صحیح انداز فکر اپنانے میں مدد ملے۔ آپ نے پانچویں خطبے میں ارشاد فرمایا۔

"حسرت و غربت کی روک کاٹ کا علاج قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے تم کو دے رکھا ہے اس پر تمہارا دل خوش رہے۔ کبھی شکایت کا جذبہ پیدا نہ ہو بلکہ جذبات شکر و سپاس سے تم ہمیشہ مسرور رہو۔ بظاہر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی ہے کہ غربت و نکبت میں بھی انسان ایسا ہی خوش رہے جیسے دولت و ثروت میں رہتا ہے۔ لیکن فکر صحیح اور مشاہدہ وسیع سے یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ یہ بات ناممکن تو کیا کچھ زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔ تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے"

حضور محسن انسانیت ﷺ نے عسرت و غربت اور بے اطمینانی کے کرب سے نجات دلانے کیلئے جو اکسیر نسخہ عطا فرمایا وہ یہ ہے کہ "جب تم کو اپنی غربت اور زبوں حالی کی شکایت ہو تو اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر کرو۔ اس طرح تم کو لاکھوں آدمی ایسے نظر آئیں گے جو تم سے بھی کہیں زیادہ مفلوک الحال اور محتاج ہیں۔ ان کی حالت سے عبرت حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ کہ تم بڑے آرام سے ہو"۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ شکر گذار ہی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ہیں اور شیطان انسان کو شکر گذاری اور احسان شناسی کی راہ سے ہٹا کر ہی گمراہ کرتا ہے۔ حضور ﷺ کی تربیت کے فیض سے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے ہر حال میں خوش رہنے کی خو پیدا کرلی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے تھے اور اللہ بھی ان سے راضی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی کی دولت اور مرتبے سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ صاحبانِ ثروت ان کی خودداری اور استغناء سے خوف کھاتے تھے۔

غریبی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

میرے پیارے بھائیو اور بیٹو! اللہ تعالیٰ کا دین اور صوفیائے کرام ہمارے اندر زندگی کے حقائق کی معرفت اور شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہم سچے دین پر سچے دل سے عمل پیرا ہو کر ہر قسم کے خوف سے نجات حاصل کر کے دائمی مسرت اور فلاح دارین کی دولت سے اپنے دامن بھر لیں اور اُمت وسطیٰ کا منصب سنبھال کر ایمان واطمینان کی نعمت دوسری قوموں میں بھی بانٹ سکیں۔

اُمت وسطیٰ کا کردار اپنائیے

اللہ تعالیٰ کے دین سے مراد پوری انسانی زندگی پر محیط نظام حیات ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اب نفس کی حیلہ سازیوں اور غلامی کی نفسیات سے باہر نکل آئیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کر کے شرک کا مکمل طور پر خاتمہ کردیں۔

اس طرح قائم ہونے والی اللہ کی بادشاہت کے تحت ہی وہ سازگار فضا اور مناسب ماحول میسر آ سکے گا جس میں بسنے والے تمام انسان بلا تخصیص رنگ و نسل اور مذہب و ملت امن و امان اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور اہل ایمان آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی راہ یعنی صراط مستقیم پر گامزن ہو کر فلاح دارین حاصل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ملاحظہ فرمایئے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے اپنی ذات، اپنے اہل و عیال اور اعزہ و احباب کو تیار کریں تا کہ پوری قوم بیدار ہو جائے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا o (الفتح۔28)

''اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کُل کے کُل دین یعنی پورے نظام حیات پر غالب کر دے اور اللہ اکیلا ہی نگران کافی ہے''۔

چونکہ ہر شعبے پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی تسلیم کرنے سے ہمارے اپنے نفسوں پر زبردست چوٹ پڑتی ہے، اپنی من مرضی والی آزاد روش ترک کر کے مکمل طور پر قرآنی احکام کی پابند زندگی اپنانا پڑتی ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے فقیرانہ اور مسافرانہ اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے امیرانہ طرز حیات کو ترک کرنا پڑتا ہے اس لئے قرآن کی حقیقی تفسیر جو سادگی اور عزیمت کی کٹھن راہ بتاتی ہے اس سے بچنے کیلئے ہم نے ''**لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ**'' کا ترجمہ متن کے الفاظ اور روح قرآنی کے خلاف یہ کر لیا ''تا کہ اللہ کا رسول دین اسلام کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے''

عقل عیاری اس تاویل کے ذریعے ہم نے ساری ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر ڈال دی اور پوری قوم اللہ کے دین کو انسانی زندگی پر مکمل غلبہ دلانے کی جدوجہد سے منہ موڑ کر زیادہ سے زیادہ متاع دنیا کے حصول کی دوڑ میں شامل ہو گئی۔ اسی طرح ہماری پست ہمتی اور کم حوصلگی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپے گئے ایک اور عظیم الشان اعزاز، ہمت آزمائش اور فعال ذمہ داری کو الفاظ کے گورکھ دھندوں میں الجھا کر پس پشت ڈال رکھا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت اللعالمین ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے وصال کے بعد یہ مقدس ذمہ داری خیر الامت کو سونپتے ہوئے یہ حکم دیا کہ جس طرح

میرے رسول ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم تمہیں دی اور اس پر عمل کر کے دکھایا اسی طرح اب تم نسل بعد نسل قیامت تک آنے والی دوسری قوموں کے لئے یہ فریضہ ادا کرتے رہو گے۔ چنانچہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اس حکم پر جس خلوص اور جاں نثاری کے ساتھ عمل کیا وہ ہمارے لئے ایک تابندہ مثال ہے۔ اللہ کی تائیدونصرت سے انہوں نے صرف آدھی صدی میں آدھی دنیا پر قبضہ کر کے اسے نور اسلام سے منور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے پیام کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے مقدس مشن میں درمیانی واسطہ یا وسیلہ وسبب بنائے جانے کی وجہ سے ہمیں امت وسطیٰ کا قابل صد رشک لقب عطا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاًلِّتَكُوْنُوْاشُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ۔143)

اس آیت مبارکہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ "ہمارے دین رحمت کا پیام ہمارے رسول ﷺ سے قبول کر کے دنیا بھر کے انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہم نے تمہیں واسطہ بنایا ہے۔ اب تمہیں امت وسطیٰ (Middle Men) بن کر زندہ رہنا اور اس عظیم ذمہ داری کو نباہتے چلے جانا ہوگا تاکہ تم پوری انسانیت کو ہمارا دین پہنچا دینے پر خدائی گواہ بنو اور ہمارا رسول تم پر گواہ بنے" یہی حکم تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورت الحج کی آخری آیت میں دہرایا گیا ہے۔ اس عظیم اعزاز اور نازک ذمہ داری کا احساس اگر کماحقہ باقی رہتا تو ہم من حیث الامت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت کے رنگ میں رنگی ہوئی طرز حیات کو کبھی ترک نہ کرتے۔ اس طرح ہر دور کے انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کا عملی نمونہ موجود رہتا اور ہم اس کی صداقت کے علمبردار بن کر شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کر کے اللہ کے ہاں سرخرو ہو جاتے۔ اس دور میں بھی دوسری قوموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ کسی ایک ملک میں اللہ تعالیٰ کے دین کے تحت ایک مثالی ریاست قائم کر کے دنیا کے سامنے پیش کی جائے تاکہ وہ اسلام کی صداقت اور برکتوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ اللہ کرے یہ سعادت پاکستان ہی کو حاصل ہو جائے کیونکہ یہ ملک اسی مقصد کے لئے اور اسی نعرے کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا۔

مصورِ پاکستان نے فرمایا۔

کار اقوام و ملل ناید درست
از عمل بما کہ حق در دست تست

"یعنی دوسری قوموں اور ملتوں کی اصلاح صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ پہلے تم اپنے کردار و اعمال سے دنیا پر یہ حقیقت ثابت کر دو کہ دین حق اور بہترین نظام صرف تمہارے پاس ہی ہے"

یہ ذمہ داری قیامت تک اپنے اپنے دور میں موجود مسلم امت پر قائم رہے گی۔لیکن جب ہم نے اس سے غفلت برتی تو انسانوں کو راستہ دکھانے والا کوئی نہ رہا۔جس کی وجہ سے زمین پر ظلم وفساد پھیلنا شروع ہو گیا۔اس جرم کی سزا میں ہمیں عالمی سیادت سے معزولی اور اغیار کی غلامی کی سزا دی گئی اور ہم پر فاقہ اور خوف مسلط کر دیئے گئے۔لیکن ہم نے اپنی کوتاہی کا احساس اور اعتراف کرنے کی بجائے اس آیت کو اپنی بے عملی کے غلاف میں لپیٹ دیا اور "امت وسطی" کو نئے معانی پہنادئے کہ امت وسطٰی کا مطلب یہ ہے کہ ہم معتدل امت ہیں اور اسلام ایک معتدل دین ہے جو ہر کام میں وسط کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔اس میں جسم و روح، دنیا و آخرت، مادیت و روحانیت کے معاملے میں افراط و تفریط نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ہم نے ان دلفریب منطقی دلائل پر یہ ساری محنت اس لئے کی تا کہ ہمیں کسی طرح کی کوئی جدو جہد نہ کرنی پڑے۔اس طرح ہم اللہ کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر اور ارکان اسلام کی رسمی پابندی کو ہی دین و عبادت سمجھ کر آنکھیں بند کئے پڑے ہیں۔

میرے بزرگ بھائیو اور عزیز بیٹو! ہم کب تک حقائق سے منہ موڑے، غفلت کی زندگی بسر کرتے اور اغیار کے سامنے تماشا بنے رہیں گے۔کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور جرائم کی معافی مانگیں اور حیلے سازی اور بے عملی کو ترک کر دیں۔اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق ڈھالیں گے۔ہم دین و عبادت کو وسعت دے کر زندگی کے ہر شعبے مین اللہ کی حکمرانی قائم کریں گئے۔ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو حبل اللہ جانتے ہوئے مضبوطی سے تھام کر تمام غیر قرآنی عقائد اور ہر قسم کی فرقہ پرستی ترک کر دیں گے اور صرف مسلمان ہونے اور کہلوانے پر فخر کریں گے۔قرآن مجید فرقان حمید ہی ہمارا آئین حیات ہے جس پر اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں عمل پیرا ہونے پر ہی پوری انسانیت کی اصلاح وفلاح کا

انحصار ہے۔جب تک ہم دین وعبادت کی حقیقت کونہیں سمجھیں گےاوراللہ تعالیٰ کی کتاب کواس کا صحیح مقام نہ دیں گےتب تک ہمیں بھی اپنا کھویا ہوامقام حاصل نہ ہو سکے گا۔

شیطان اوراس کا اتباع کرنے والی قومیں یہ ہرگزنہیں چاہتیں کہ ہم اللہ کے دین کوایک طرز زندگی اور نظام حیات کےطور پر اپنا ئیں۔کیونکہ اس نظام کی ترویج سے کفر کے نظام ہائے حکومت کا زوال یقینی ہے۔اقوام عالم کوضلالت کے جال میں پھنسائے رکھنے کے لئے شیطان یہی چاہتا ہے کہ اُمت مسلمہ دین کودنیا سےعلیحدہ ہی سمجھےاورعلیحدہ ہی رکھےاوراللہ تعالیٰ کے آئین کوپوری زندگی پرنافذ کرنے سے باز رہے۔اسی لئے وہ اپنے کارندوں کی مجلس شوریٰ میں یہ فرمان جاری کرتا ہے۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

(اقبال!ارمغان حجاز)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور رحمت اللعالمینﷺ کےصدقے ہمیں ایک آزادقطعہ زمین عطا کرکے یہ موقع عنایت فرمایا ہے تا کہ اس میں اللہ کی حکمرانی والانظام نافذ کرکے اس کی خوشنودی اوردنیاوآخرت کی بھلائیاں حاصل کرسکیں۔علامہ اقبالؒ نےتو فرمایا تھا کہ جدا ہودیں سیاست سےتو رہ جاتی ہےچنگیزی لیکن میں تو یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ زندگی کے جس شعبہ سے بھی دین کوعلیحدہ کردیا جائے اسی میں فتنہ وفساد پیدا ہوجائے گا۔ہمارے گھرہوں یابازار، مدرسے ہوں یا کھیل کے میدان،کارخانے ہوں یا کھیت کھلیان،عدالتیں ہوں یا حکومت کے ایوان ہرجگہ اللہ تعالیٰ کےقانون کی بالادستی اوراس کابول بالاکرنے کا نام ہی اقامت دین ہے۔ ہماری انفرادی اوراجتماعی کامیابی کے لئے لازمی ہے کہ ملت کا ہرفردہروقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ملک کےتمام ذرائع ابلاغ کوقرآنی فکروعمل کوفروغ دینے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا ہوگی تا کہ ہرمومن کے دل میں یہ عزم راسخ ہوجائے کہ اس کا جوبھی مقام ومرتبہ ہواوراس کاتعلق کسی بھی شعبہ اورپیشہ سے ہواس کاانداز فکر،طرز حیات،طریقہ کاراوراخلاق

رویہ غیر مسلموں سے بہر حال منفرد اور ممتاز ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اسی لئے پیدا فرمایا تا کہ انسانوں کو آزمائے کہ کون کون احسن اعمال انجام دیتا ہے (سورۃ ملک ۔2) یہ بات یاد رکھیں کہ تمام عقائد اور عبادات کا مقصود ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق و اطوار پیدا کرنا ہے کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے ۔

ترجمان قرآن علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

لا الہ گوئی، بگو از رُوئے جاں
تاز اندام تو آید بوئے جاں

"صرف زبان سے لاالہ کہہ دینے سے کیا حاصل ۔کلمہ طیبہ پڑھنا ہے تو قلب و روح کی گہرائیوں سے پڑھو تا کہ تمہارے اعضاء سے سر زد ہونے والے اعمال سے تمہارے ایمان کی خوشبو آئے"

آخر میں آپ سب بھائیوں سے یہی التماس اور آرزو ہے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اب خواب گراں سے بیدار ہو جائیں ۔آپ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں تو انکی مانیں بھی ۔جب آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں تو اسے سنوارنے کے لئے دنیا کی زندگی ایمانداری سے گذاریں ۔اللہ کے جاں نثار بندے بن کر اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور اپنے بھائیوں اور پوری انسانیت کے لئے سلامتی اور خدمت کی علامت بن جائیں ۔صرف اسی طریقہ سے ہم اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں ۔ (جاری ہے)

علامہ اقبالؒ اور مسجد قرطبہ

حکیم راحت نسیم سوہدروی

معروف مسلمان سپہ سالار طارق بن زیاد کی قیادت میں اسلامی فوج نے مقاصد جلیلہ کے ساتھ شمشیر بکف ہو کر اندلس کو ختم کیا اور شرک و کفر کو مٹا کر شمع توحید روشن کر کے ساڑھے سات سو سال سے زیادہ عرصہ تک نہ صرف حکومت کی بلکہ یورپ کی اس عظیم الشان سلطنت کو مرکز علم و حکمت بنا کر علوم و فنون میں بے پناہ ترقی کی۔ جس کی روشنی سے یورپ منور ہوا۔ مسلمانوں نے اِس قدر ترقی کی کہ دُنیا حیرت زدہ رہ گئی اور اس کا شہرہ یورپ ہی نہیں دنیا بھر میں ہوا۔ پورا یورپ اِس سے مرعوب تھا اور دنیا کی ہر قوم اِس سے کوسوں پیچھے تھی۔ مسلمان ایک ترقی یافتہ قوم تھی اور دنیا اِس کی امامت کو تسلیم کرتی تھی۔ اُمت مسلمہ کا یہ دورِ عروج یقیناً مسرت انگیز ہے مگر دوسرا پہلو اِس سے بھی المناک اور خونچکاں ہے کہ جب اندلس کے ان مجاہدوں نے اِس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ وہ عقیدہ توحید اور امامت کے امین ہیں تو خدا واحد لاشریک نے انہیں فراموش کر دیا جس کے نتیجے میں وہ تاریخ عالم میں اِس طرح فنا ہوئے کہ صدیوں گزرنے کے باوجود سر زمین اندلس کا چپہ چپہ ان کی ہلاکت بربادی اور زوال پر ماتم کناں ہے۔ اِس ہلاکت اور زوال کا سبب داخلی اتحاد کی کمزوری فرقہ واریت میں اُلجھنا اور شمشیر و سناں کو چھوڑ کر طاؤس و رباب کا دلدادہ ہونا تھا۔

فرڈیناڈ نے 1236ء میں تقریباً آٹھ سو سال قبل جب مسلمانوں کو شکست دے کر اندلس (سپین) پر اسلامی اقتدار کا خاتمہ کیا تو مسلمانوں کو ملک بدر بھی کر دیا مسلمانوں کی تعمیر کردہ عمارات اور مساجد پر فاتح عیسائی راہبوں نے قبضہ جمالیا۔ اِس طرح قرطبہ کی عالیشان اور پرشکوہ مسجد جسے مسجد قرطبہ کا نام دیا جاتا ہے اور جس کی تعمیر عبدالرحمان اول نے وادی الکبیر کے کنارے 758ء میں شروع کرائی اور اس کی توسیع دسویں صدی عیسوی تک جاری رہی۔ اِس مسجد کے صدر دروازے پر سینٹیا گو کے گرجا کا وہ گھنٹہ لٹک رہا تھا جو عجوبہ روزگار تھا۔ اِس مسجد کی تعمیر میں ملک ملک کے انجینئروں کا کمال مہارت اور بے بہا دولت صرف ہوئی تھی۔ اِس مسجد میں چودہ سو منقش

ستون نصب تھے شاہ فلسطین نے جہاز میں ساڑھے چار سو من قیمتی پتھر بھجوائے اِس پر کتنے کوفی خط میں سونے کے موٹے موٹے لفظوں سے لکھے گئے صدیاں گزر گئیں ہیں مگر آج بھی اِس کے آثار سے وہ کچھ نظر آتا ہے کہ عقل انسانی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے اندلس (سپین) میں مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ہی دوسری مساجد کی طرح یہ مسجد بھی عیسائی راہبوں کے تسلط میں آ گئی۔ جنہوں نے اِسے گرجا گھر میں تبدیل کر دیا منبر اور دیوان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی البتہ اذان اور نماز پر پابندی عائد کر دی گئی کہ اب یہ گرجا گھر ہے جہاں عیسائی عبادت کر سکتے ہیں۔ تقریباً آٹھ صدیاں گزرنے پر علامہ اقبالؒ کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہوا کہ انہوں نے اِس پابندی کے باوجود مسجد قرطبہ میں نہ صرف اذان دی بلکہ نماز ادا کی۔ اگرچہ اِس حوالے سے علامہ اقبالؒ کی کوئی تحریری شہادت موجود نہیں تاہم تصویری شہادت موجود ہے اور مختلف افراد نے تفصیلات بھی بتائی ہیں۔ جن کے مطابق پہلی گول میز کانفرنس جو 12 نومبر 30ء تا 19 جنوری 31 تک ہوئی اِس میں علامہ اقبالؒ کو شریک نہ کیا گیا دوسری گول میز کانفرنس 7 ستمبر تا یکم دسمبر 31 تک ہوئی اِس میں علامہ اقبالؒ شریک ہوئے اور کانفرنس کے خاتمے پر مولانا غلام رسول مہر کے ہمراہ برطانیہ سے فلسطین چلے گئے اور موتمر اسلام اسلامی میں الوداعی تقریر کر کے واپس ہندوستان آ گئے مولانا عبدالمجید سالک کے مطابق "تیسری گول میز کانفرنس کا آغاز 16 نومبر کو ہونا تھا۔ علامہ اقبالؒ 13 اکتوبر 33ء کو لاہور سے فرنٹیر میل پر بہ عزم لندن یورپ روانہ ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ لندن پہنچنے سے پہلے ویانا، بوراپسٹ، برلن وغیرہ کے علمی مراکز میں دو چار روز قیام کرتے جائیں۔

(ذکر اقبال۔ ص 178)

علامہ 12 نومبر کو لندن پہنچے تیسری گول میز کانفرنس 17 نومبر کو شروع ہو کر 17 دسمبر 33ء میں ختم ہو گئیں۔ کانفرنس ختم ہونے کے بعد علامہ پیرس پہنچے اور علمی حلقوں کے علاوہ برگسان سے ملاقات کی اس کے بعد علامہ نے ہسپانیہ کا دورہ کیا (ص۔ 180)

علامہ اقبال خود ایک اخبار کے نامہ نگار سے سفر سپین بارے فرماتے ہیں۔

"مجھے لندن میں سپین جا کر لیکچر دینے کی دعوت ملی تھی اسلام کے مرکز کو دیکھنے کا مشتاق تھا

میں نے دعوت قبول کرلی"۔(آئینہ اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ص 198)

قرطبہ پہنچنے کے بعد آپ (علامہ) وہاں کی یگانہ روزگار مسجد میں تشریف لے گئے جواب گرجا گھر بن چکی ہے۔ڈاکٹر اقبال نے اپنے گائیڈ سے کہا میں یہاں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں گائید نے کہا پادریوں کو یہ بات ناگوار ہوگی اور وہ ہرگز اجازت نہیں دیں گے اقبال اس جگہ مصلی بچھا کر بیٹھ گئے جس کو بے حد مقدس سمجھا جاتا ہے اتنے میں ایک پادری آ پہنچا اور زور شور سے احتجاج کرنے لگا۔اقبال نے پادری کی طرف رُخ کر کے گائیڈ سے کہا ایک دفعہ مدینہ منورہ میں عیسائیوں کا وفد کوئی التماس لے کر پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آیا اس کے ارا کین کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا تھا جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو وہ متردد تھے کہ انہیں اس کی اجازت دی جائے گی کہ نہیں۔حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ یقیناً اپنے طریقے کے مطابق عبادت کر سکتے ہیں اگر عیسائیوں کو حضور ﷺ نے اپنی ہی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی تھی انہیں ایک ایسی جگہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت کیوں نہیں جو کبھی مسجد تھی۔اقبال سے یہ سن کر کہا کہ میں بڑے پادری سے پوچھ کر آتا ہوں اقبالؒ نے پادریوں اور محکمہ آثار قدیمہ کی اجازت لے کر مسجد میں اذان دی۔جس کی فضا صدیوں سے بے اذان پڑی تھی۔نماز پڑھی آپ کی نماز کی حالت میں ایک پادری نے تصویر بھی اُتاری۔(ملفوظات اقبالؒ مرتبہ محمود نظامی صفحہ 318)

مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر صاحب نے یہ سارا واقعہ سید امجد علی کے نام لکھ بھیجا''۔(ذکر اقبال ص 138)

علامہ اقبال کا یہ خط تا حال منظر عام پر نہیں آسکا ورنہ علامہ کے قلم سے یہ تفصیل سامنے آ چکی ہوتی۔

مسجد قرطبہ میں علامہ اقبالؒ کی دو تصاویر چھپ چکی ہیں جو روزگار فقیر صفحہ 48، 49 پر موجود ہیں یہ دونوں تصاویر ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔اسی تصویر میں وہ مصلی پر سجود کی حالت میں نماز ادا کرنے میں مشغول ہیں جبکہ دوسری تصویر میں مصلی پر ہاتھ میں چھڑی لئے کھڑے ہیں۔اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نماز سے فراغت کے بعد کی ہے۔یہ تصاویر مسجد کے اِس مقام پر لی گئیں ہیں جو بڑی

تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال نے نماز ادا کرنے کیلئے مسلمانوں کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کو ذہن میں لاتے ہوئے اِس جگہ کا انتخاب کیا ہوگا۔ یوں اِس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق نماز ادا کی اور یہ کسی اضطراری حالت کا نتیجہ نہیں جیسا کہ ان کے بعض تذکرہ نگار یہ تاثر دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے جس جگہ نماز ادا کی وہ مسجد قرطبہ کا لان ہے۔ اِس ہاتھ ایک محرابی راستہ ہے جو خلیفہ الحکم ثانی نے 961ء میں تعمیر کرایا تھا یہ فن تعمیر کے حوالے سے انتہائی منفرد خصوصیات کا حامل ہے اور اس قدر اہم ہے کہ اسلامی فن تعمیر اور آرٹ کے نقطۂ نظر سے تقریباً ہر کتاب میں مختلف زاویوں سے اِس محراب کی تصویر Reproduce کی جاتی ہے اور اس فن تعمیر کے حوالے سے اِس کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو قدیم عربی تہذیب سے نہایت دلچسپی بلکہ عشق تھا اور سپین قدیم زمانے میں عربی تہذیب کا مرکز تھا اور اِس زمانے میں اس کا مدفن ہے اِس لئے اِس سلسلے میں انہوں نے سپین کا سفر کیا اور اس کی ہر چیز سے متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے خالص مذہبی اور تاریخی جذبات کے زیر اثر سپین کا سفر کیا تھا اور اس حیثیت سے وہاں کی ہر چیز پر نظر ڈالی سپین کے سفر میں ڈاکٹر صاحب کو پروفیسر آسین سے ملاقات کا موقع ملا۔

(اقبال کامل ص29 تا 32 از مولانا عبدالسلام ندوی)

علامہ اقبال نے اپنے اِس سفر میں اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام دو کارڈ بھیجے جو تصویری تھے۔ جس پر مسجد قرطبہ کے عکس تھے اس کے ساتھ ہی لکھا کہ۔

''میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اِس مسجد کو دیکھنے کیلئے زندہ رہا مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے خدا کرے تم جواں ہو کر اِس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو''۔

علامہ اقبال سپین کی مسجد قرطبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سپین سے واپسی پر پیرس (فرانس) سے ایڈیٹر انقلاب کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ۔

''مرنے سے قبل قرطبہ ضرور دیکھو''

علامہ اقبال نے 27 مارچ 1933ء کو محمد اکرام کے نام اپنے خط میں سفر سپین کا ذکر کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں۔

میں اپنی سیاحت اندلس سے اِس قدر لذت گیر ہوا وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی گئی۔ جو کسی وقت شائع ہو گی۔ الحمرا کا تو مجھ پر کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذ جات کی ایسی کیفیت میں پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

(اقبال نامہ جلد دوم ص 321)

علامہ اقبال نے مسجد قرطبہ پر ذیل کی نظم لکھی جس سے اِن کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات ، کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نومنزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا ہر عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود ایک سل ہے سل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبرائیل ، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک

عشق ہے صہبائے جام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیر حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن سبیل، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات، عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام اس میں نہیں رفعت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ جنگ ہو حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کر بناتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز سرور و سرود
تیری فضا دلفروز میری نوا سیر سوز
تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دل کی کشود
عرش معلٰی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی ہے سپر کود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گزار سجود
کافر ہندی ہوں میں، دیکھ میرا ذوق شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق میں میرے لے میں ہے شوق میری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ جلیل و جمیل تو جلیل و جمیل
تیری بنا پائدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم و نخیل
تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور
تیرا مینار بلند جلوہ گاہ جبرائیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد خدا ہے
اس کی اذانوں سے پاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمین بے حدود اس کا اُفق بے تغور
اس کے سمندر کی موج و جل و نیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب شوق کا رش میدان شوق
باوا ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زر لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پناہ لا الہ

(بشکریہ نوائے وقت)

بابا جان کا تبلیغی دورہ (جڑانوالہ و چوک اعظم)

پروفیسر طارق محمود

(قسط اول)

اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں میرے مددگار رہوں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (سورۃ الصّف۔14)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فرمایا کہ تم سب انصار اللہ بن کر میرے حبیب ﷺ کی رحمت کے سفیر بن جاؤ اور رحمت و محبت والے دین کے مجسم نمونے بن کر اس دعوت کو پوری دُنیا میں پھیلا دو۔

بابا جان اور میں (طارق محمود) جڑانوالہ اڈے پر پہنچے تو سلیم صاحب، شفیق صاحب کے بیٹے اور ماسٹر صاحب اِستقبال کیلئے موجود تھے گھر پہنچے دُعا و سلام، ریفریشمنٹ، نماز جمعۃ المبارک کے بعد کھانا کھایا اور پھر بابا جان آرام کیلئے کمرے میں چلے گئے۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد بابا جان تشریف لائے مقامی اور فیصل آباد کے بھائی تشریف لا رہے تھے۔ نماز مغرب ادا کی گئی۔ نماز کے بعد بابا جان نے زندگی کی اہمیت اور اس کے مقصد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کرنا ہے دین کے اوامر و نواہی کا مقصود ہی یہ ہے کہ انسان خواہشات نفس اور ہوا و ہوس کا غلام بننے کی بجائے صرف اللہ کا عبد یعنی غلام بن جائے۔ اِس کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے اور اس پر اللہ کی صفات کا رنگ چڑھ جائے۔ اس کے رسول اور اس کی مخلوق کی محبت گھر کر جائے۔ حضور رحمت العلمین ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ دُنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور اللہ کی محبت ہر نیکی اور خوبی کا منبع ہے یہ بات ذہن میں رہے کہ خرابی کی جڑ دُنیا کو نہیں بلکہ دُنیا کی محبت کو فرمایا گیا ہے۔ دُنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے اِسے تو پیدا ہی انسان کیلئے کیا گیا ہے اور انسان کو زمین کی خلافت کیلئے خلق فرمایا گیا اور اس منصب پر فرشتوں اور جنوں کو بھی رشک آیا تھا اِس لئے خرابی دُنیا میں نہیں، بلکہ اِس کی محبت میں پھنس کر اللہ کو بھول جانے میں ہے۔ انسان کا مقصد شرف کمال انسانیت پر فائز حضور سید الانبیا ﷺ کا اتباع کرتے ہوئے اللہ کی محبت کا حصول ہے جو انسان اللہ کی محبت میں رنگ جاتا ہے اِس سے

عفوو درگزر، حلم و برداشت، سخاوت و ایثار اور مدد و خدمت جیسے فضائل کا ظہور ہونے لگتا ہے۔
حضورﷺ نے جب بھی مثالی مومن کی پہچان کے بارے میں ارشاد فرمایا تو ہمیشہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اِس کے رویے اور برتاؤ کو ہی برتری کا معیار قرار دیا۔
آپؐ نے اللہ کی محبت کے حصول کیلئے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا راستہ دکھایا اللہ کے دین میں تمام عبادات اور کثرت ذکر کا مقصود ہی یہ ہے کہ اِس سے اخلاق رذائل ذائل ہوتے چلے جائیں۔اوران کی جگہ فضائل پیدا ہوتے جائیں اللہ کی راہ میں جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا ہے ویسے ویسے اِس میں انسانوں کی خدمت کا جذبہ بھی ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔حضور محسن انسانیت ﷺ نے حسن اخلاق محبت ومودت اور تکریم انسانیت کو ہی ایمان کا پیمانہ قرار دیتے ہوئے جو ارشادات فرمائے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں چند اقوال ملاحظہ ہوں۔

☆ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی نیکی انسانوں سے محبت کرنا ہے۔

☆ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرے۔

☆ اپنے غلاموں کے بارے میں محتاط رہو ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

☆ خدا کی قسم تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرو جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتے ہو۔

☆ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں پوچھا گیا یارسول اللہﷺ کون؟ آپؐ نے فرمایا وہ شخص جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔

☆ لوگوں میں سے بہترین وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

☆ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے۔

شفیق صاحب (خادم حلقہ) نے ذکر کروایا۔
نماز عشاء کا وقت ہو گیا، نماز عشاء ادا کرنے کے بعد سب بھائیوں کو کھانا پیش کیا گیا۔
دوسرے روز صبح ناشتہ کرنے کے بعد بابا جان نے مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔
دوپہر کی نماز کے بعد کھانا سلیم صاحب کی طرف کھایا اور فیصل آباد کی طرف روانہ ہو گئے، جڑانوالہ کے بھائی بھی ہمارے ساتھ تھے اذن علی شاہ (لاہور) بھی ساتھ تھے شام کی چائے

صادق صاحب کے گھر پہ پی گئی (صادق صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے گئے ہوئے تھے) اُن کے بیٹے جنید صاحب نے محفل کا انتظام فرمایا تھا عصر کی نماز کے بعد بھائی تشریف لانا شروع ہو گئے۔ بابا جان نے مقام محبت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب کوئی مرد کامل مل جائے تو اس کے روحانی فیض سے دل میں چھپا ہوا محبت کا بیج پھوٹ پڑتا ہے۔ جس سے دل سراپا نور ہو جاتا ہے دل میں وہ چھپے کی بوٹی لگ جاتی ہے جب ذکر کی آبیاری سے اِس پر بہار آتی ہے تو انسان کی نس نس میں محبت کی خوشبو بس جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان کی دولت عطا ہوتی ہے نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جاتی ہیں۔ اللہ کی محبت سے قلب و روح کو وہ انوکھی لذت ملتی ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو کر دائمی مسرت جیسی نعمت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ!

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ اپنی مخلوق کیساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے اور جو انسان جتنا زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی وہ اسکی مخلوق کیساتھ پیار کرتا ہے بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ قرب حاصل کرنے والی ذات حضور رسالت مآب فخر موجودات سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے آپؐ اللہ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے وہاں نہ کبھی کوئی پہنچا نہ ہی پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بعد اللہ کی مخلوق کیلئے سب سے زیادہ محبت آپؐ کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی رؤف و رحیم اور رحمت اللعالمین کے خطابات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب و رضا کے طالب اِس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں کہ اِس کائنات کی تخلیق کا باعث ہی محبت ہے محبت ہی وہ امانت تھی جس کے اُٹھانے سے زمین اور آسمان ڈر گئے لیکن حضرت انسان نے اِسے اُٹھالیا کیونکہ اِسے پیدا ہی اللہ کی عبادت یعنی محبت و اطاعت کیلئے کیا گیا تھا۔ اللہ کے دین کی اساس بھی محبت ہی ہے۔ اور تمام عبادات کی روح بھی یہی ہے۔ محبت کے ساتھ انجام دیے گئے چھوٹے چھوٹے اعمال بھی اللہ کے ہاں مقبول ہو کر مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اِس کے برعکس اگر ارکان اسلام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو تو سب رد کر دیا جاتا ہے بقول علامہ اقبالؒ۔

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

باباجان نے فیصل آباد کے خادم حلقہ منظور قادر بھٹہ صاحب کو ذکر کروانے کیلئے دعوت دی۔ ذکر کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی اور کھانا کھلایا گیا۔

صبح ناشتہ میں ہمارے ساتھ لیہ، چوک اعظم سے آئے ہوئے دو بھائی رضوان اور سعید صاحب تھے ہم نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ باباجان کے منع کرنے کے باوجود بھائیوں نے اصرار کر کے باباجان کو منالیا کہ ہم آپ کو فیصل آباد سے لینے آئیں گے۔

بھائیوں نے باباجان کو ساڑھے دس بجے رُخصت کیا۔ باباجان کا چیزوں کو Pointout کرنے کا انداز بڑا خوبصورت ہے۔ باباجان کو ہر موضوع پر چٹکلے، مزاحیہ واقعات یاد ہیں۔ جس موضوع پر اصلاح مقصود ہوتو باباجان اس موضوع پر چٹکلہ یا کوئی مزاحیہ واقعہ Match کرتے ہیں جس میں مزاح اور نصیحت کا سامان موجود ہوتا ہے۔

ساڑھے تین بجے کے قریب ہم چوک اعظم پہنچے۔ لیاقت صاحب، تمام بھائی اور فتح پور سے ندیم صاحب اور ان کے ساتھیوں نے باباجان کا اِستقبال کیا۔ اس دفعہ باباجان کے ٹھہرنے کا انتظام عامر اور رضوان بھائی کے گھر میں تھا دوپہر کا کھانا کھایا گیا اور نماز ظہر او رعصر کوادا کی گئی۔

محفل کا انتظام پروفیسر غلام شبیر صاحب کی طرف تھا مغرب تک سب بھائی پہنچ چکے تھے۔ نمازِ مغرب ادا کی گئی کچھ دیر بعد باباجان محفل میں تشریف لے آئے۔ باباجان نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی بابت یہ نکتہ ذہن نشین کرلیں کہ یہ دولت ہر کسی کو اس کی خلقی استعداد اور روحانی ظرف کے مطابق ہی عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے تحت ہر انسان کو مختلف روحانی صلاحیت اور استعداد عطا کر رکھی ہے۔ اِس نے جس طرح ہماری ظاہری صورتیں ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ ایک انسان کی انگلیوں کے نشان، اِس کے بالوں کی بناوٹ اور اس کے خلیے کی مسافت تک کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتی۔ اِسی طرح ہماری روحانی صورتیں بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ ہر انسان اپنی خلقی استعداد کے مطابق جنت کے ایک خاص مقام تک پہنچنے کے لئے مکلّف ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ہم عملوں کیلئے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں پہنچاتے۔ ایسے ہی لوگ اہل بہشت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ (الاعراف۔42)

اِس خاص مقام کواِس روح کا مقامِ محمود کہتے ہیں ہر روح جب روحِ بسیط سے مادی دُنیا کی طرف آتی ہے تو اِسے کچھ دیر کیلئے مقامِ محمود پر ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی منزلِ مقصود سے اچھی طرح آشنا ہو جائے۔ اِس دنیا میں آ کر اس کیلئے فلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیان کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لے اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع میں زندگی گزارے تا کہ اللہ کی محبت کا جوہر اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کا مالک راضی ہو جائے۔

میں خاصے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فرداچوں رسم پیش تو از من ارمغاں خواہی

''آپ نے مجھے خام تانبا عطا کیا تھا میں اسے محبت کے بل بوتے پر کیمیا بنا رہا ہوں تا کہ کل جب آپ کے سامنے حاضر ہونگا تو آپ پوچھیں گے کہ دُنیا سے میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو'' اِس عالمِ خاک میں اولادِ آدم کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ یک جہت اور یک رنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ اِسے نباتات اور جمادات کی طرح جبری تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے آزادی کے عمل کا جو اختیار اِسے دے رکھا ہے اِس کی وجہ سے انسانوں کے مال میں وسیع اختلاف اور آخرت میں ان کے درجات میں عظیم فرق واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیان کئے گئے قانون کے مطابق ''ہر انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی جدوجہد اور محنت کرے گا اُتنا ہی اس کا روحانی مرتبہ بلند اور وہ اللہ کے قریب ہوتا جائے گا۔ جو انسان دنیا میں آ کر اللہ تعالیٰ کو بھول کر ہوا و ہوس اور نفس کا غلام بن جائے گا وہ عبد الطاغوت یعنی شیطان کا بندہ قرار پائے گا اور آخرت میں جہنم اِس کا ٹھکانہ ہو گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں احدیت کے اسرار کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو''۔

اِن دو مقاصد کے درمیان ہی ہر انسان کیلئے سعی اور جدوجہد کا میدان ہے جو اِنسان اِس زندگی میں اپنے مقامِ محمود پر پہنچ جاتے ہیں اللہ اِن سے راضی ہو جاتا ہے اور جو اپنی منزل سے دور رہ جائے وہ ناکام سمجھا جائے گا۔ (جاری ہے)

حضرت ہشیمؓ بن عتبہ

(طالب الہاشمی)

یہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کا دن تھا۔

اِس دن مدینہ منورہ سے اسّی میل کے فاصلے پر بدر کا میدان ایک تحیّر خیز منظر پیش کر رہا تھا۔ مشرکین مکہ جو بڑے ساز و سامان اور طمطراق کے ساتھ اہلِ حق کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کیلئے آئے تھے۔ اپنے سے ایک تہائی بے سر و سامان علم برداران توحید سے ذلت انگیز شکست کھا چکے تھے۔ ان کے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے تھے اور ان کی لاشیں میدانِ جنگ میں جگہ جگہ بکھری پڑی تھیں۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مکہ میں اہلِ حق کا جینا دوبھر کر دیا تھا اور ان کو اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج یہاں ان کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں نشانِ عبرت بنی ہوئی تھیں۔ سرورِ عالم ﷺ اگر چاہتے تو ان لاشوں کو گدھوں، چیلوں اور درندوں کی خوراک بننے کیلئے اسی طرح کھلے میدان میں چھوڑ دیتے لیکن آپؐ کی شانِ رحیمی نے یہ گوارا نہ کیا اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ان تمام لاشوں کو جمع کر کے کسی مناسب جگہ دفن کر دیا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے میدان کا چکر لگایا تو ایک جگہ ایک بڑا کنواں نظر آیا جو مدت سے غیر مستعمل پڑا تھا۔ انہوں نے تمام لاشیں اِس کنوئیں میں ڈال دیں اور ان کو مٹی اور پتھروں سے ڈھک دیا۔ اِس وقت حضور ﷺ اِس اجتماعی قبر کے قریب تشریف لے گئے اور آوازِ بلند ارشاد فرمایا۔

"اے عتبہ، اے شیبہ، اے ابوجہل، اے فلاں، اے فلاں، کیا تم نے اللہ کے وعدے کو ٹھیک پایا، بے شک مجھ سے جو وعدہ ربّ العزت نے کیا وہ پورا ہوا"۔

جس وقت لسانِ رسالت سے یہ الفاظ ادا ہوئے، وہاں پر موجود حضور ﷺ کے تمام جانثاروں کے چہرے عبرت پذیری کا مرقع بن گئے۔ لیکن ان میں سے ایک صاحب رسول نہایت غمزدہ معلوم ہوتے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے ایک کشیدہ قامت آدمی تھے۔ سامنے کا ایک دانت زیادہ تھا اور ایک آنکھ میں قدرے بھینگا پن تھا لیکن چہرے کے نقوش دلکش تھے اور پیشانی نورِ سعادت سے چمک رہی تھی۔ ان کو غم و اندوہ سے نڈھال دیکھ کر رحمت عالم ﷺ نے اپنے قریب بلایا اور بڑی شفقت سے فرمایا، "شاید تم کو اپنے باپ کے مرنے کا غم ہے"۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم میں اپنے باپ کی موت کی وجہ سے مغموم نہیں ہوں بلکہ مجھے دُکھ اور

رنج اس بات کا ہے کہ میرے باپ کو قبولِ حق کی سعادت نصیب نہ ہوئی اور وہ کفر پر مرا حالانکہ وہ ایک دانشمند صائب الرائے، معاملہ فہم اور خوش اخلاق شخص تھا اور مجھے پورا وثوق تھا کہ وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگا۔ لیکن جس حالت میں وہ اپنے انجام کو پہنچا اس کو دیکھ کر میری تمام اُمیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ میرے باپ کا مرتے دم تک دولتِ ایمان سے محروم رہنا ہی میری قلق کا سبب ہے''۔

سرورِ عالم ﷺ نے ان کے جذبہ ایمانی کی تعریف کی اور ان کو دُعائے خیر سے نوازا۔ غیرتِ دینی اور جوشِ ایمانی کا بھرپور مظاہرہ کرنے والے یہ صاحب رسول قریش مکہ کے نامور رئیس عتبہ بن ربیعہ (مقتولِ بدر) کے فرزند ہشیم تھے جو تاریخ میں اپنی کنیت ابوحذیفہ سے مشہور ہیں۔

سیدنا حضرت ابوحذیفہ ہشیمؓ بن عتبہ (بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصی) کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اُنہوں نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جو کفر و شرک کی آماجگاہ تھا۔ ان کا والد عتبہ بن ربیعہ قریش کے سربرآوردہ، روٴسا میں سے تھا۔ اور اپنی قوم میں بڑے اثر و رسوخ کا حامل تھا۔ اِس کی معاملہ فہمی، دور اندیشی اور وضعداری کا بھی سب کو اعتراف تھا۔ لیکن وائے بدبختی کہ جب رحمت عالم ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو اِس نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا جنہوں نے دینِ حق کی مخالفت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا تاہم اس کی طبعی شرافت نے اُسے ابولہب، ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، اُمیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ اور اسود بن عبد یغوث وغیرہ جیسے شریر النفس لوگوں کی صف میں شامل ہونے سے باز رکھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں حضور ﷺ کی ایذا رسانی کیلئے ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی اجتناب نہیں تھا۔ عتبہ اور اُس کا بھائی شیبہ اسلام کے دشمن ضرور تھے۔ لیکن اُنہوں نے حضور ﷺ کو ستانے کیلئے کبھی کسی کمینہ حرکت کا ارتکاب نہیں کیا۔ عتبہ نے اپنے فرزند ہشیم کی پرورش بڑے ناز و نعم سے کی۔ جب وہ جوان ہوئے تو ان کی شادی خطیب قریش سہیل بن عمرو کی صاحبزادی سہلہ سے کر دی۔ ہشیم تیس بتیس برس کے پیٹے میں تھے کہ مکہ میں صدائے توحید بلند ہوئی۔ گو عتبہ نے اپنے فرزند کو اپنے رنگ میں ڈھالنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو فطرتِ صالح سے نوازا تھا۔ اُنہوں نے ہر قسم کے خطرات کے علی الرغم بلا تامل دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ نیک بخت بیوی حضرت سہلہؓ بنت سہیل نے بھی انکا ساتھ دیا اور یوں

دونوں میاں بیوی سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ عتبہ پر بیٹے اور بہو کی سعادت اندوزی اسلام سخت شاق گزری اور اُس نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مشرکین قریش کے جور و ستم کا نشانہ بن گئے۔ جب کفار کے مظالم حد سے گزر گئے تو سرورِ عالم ﷺ نے مظلوم مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ رجب ۵ھ بعد بعثت میں ۱۱ مردوں اور چار خواتین نے ارض مکہ کو الوداع کہہ کر حبش کی راہ لی تو ان میں حضرت ہشیمؓ اور ان کی اہلیہ حضرت سہلہؓ بنت سہیل بھی شامل تھے۔ مشرکین قریش کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اہل حق کسی ایسی جگہ پر چلے جائیں جہاں کا دست تعدی نہ پہنچ سکے۔ اُنہوں نے ساحل بحر تک مسلمانوں کا تعاقب کیا مگر حسن اتفاق سے شعیبہ کے بندرگاہ پر ان کو حبش جانے والی ایک کشتی مل گئی اور وہ اُس میں سوار ہو کر فوراً کھلے سمندر میں داخل ہو گئے۔ اس طرح تعاقب کرنے والے مشرکین کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔

مہاجرین کو حبش پہنچے ابھی دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ انہوں نے ایک عجیب و غریب خبر سنی۔ کسی نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ اور اب اہل حق قریش کے جور و تعدی سے محفوظ و مامون ہو گئے ہیں۔ مہاجرین یہ خبر سن کر اپنے آقا و مولا ﷺ کے قدموں میں پہنچنے کیلئے بے تاب ہو گئے۔ چنانچہ بقول ابن سعدؒ وہ سب اور بقول ابن اسحاقؒ ان میں سے بعض مکہ کی طرف واپس ہو گئے۔ بہر حال حبش سے واپس آنے والوں میں حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت سہلہ بھی تھیں۔ جب یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ جو کچھ انہوں نے سنا تھا وہ محض افواہ تھی۔ اس پر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حبش واپس چلے جائیں یا مکہ میں داخل ہو جائیں۔ سب کی رائے یہی ٹھہری کہ عمائد قریش میں سے کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کر کے شہر میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر لی اور سب شہر میں داخل ہو گئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوحذیفہؓ اور ان کی اہلیہ اُمیہ بن خلف کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ اصحاب یوں تو اپنے وطن واپس آ گئے اور سید الانام ﷺ کی زیارت سے بھی شاد کام ہو گئے لیکن اُنہوں نے دیکھا کہ حالات کی ناسازگاری میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا اور مشرکین کے مظالم شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے ہیں اس پر حضور ﷺ نے پھر ہدایت فرمائی کہ مظلوم مسلمان حبش ہی کی طرف ہجرت کر

جائیں۔ چنانچہ ۶ بعد بعثت کے آغاز سو کے قریب (ذکور و اناث) مسلمانوں کا ایک قافلہ عازم حبش ہو گیا۔ ابوحذیفہؓ بھی حضرت سہلہؓ کے ساتھ اِس قافلے میں شامل تھے۔ گویا ان کی دوسری ہجرت حبشہ تھی۔ دونوں میاں بیوی کئی سال تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اِسی دوران میں ان کے فرزند محمدؓ بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔ علامہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت تو حضرت جعفر (طیارؓ) بن ابی طالب کے ساتھ ۶ھ تک حبش میں رہی اور غزوہ خیبر کے موقع پر واپس آئی البتہ ۳۳ مردوں اور آٹھ خواتین پر مشتمل ایک جماعت حضور ﷺ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصے پہلے حبش سے مکہ واپس آ گئی۔ حضرت ابوحذیفہؓ بھی اپنی اہلیہ اور فرزند کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہو کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد حضور ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن دیا۔ تو حضرت ابوحذیفہؓ بھی اپنی اہلیہ، فرزند اور آزاد کردہ غلام (منہ بولے بیٹے) حضرت سالمؓ کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اس طرح ان کو تیسری مرتبہ راہِ حق میں ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضرت عبادؓ بن بشر اشہلی نے حضرت ابوحذیفہؓ اور ان کے اہل خاندان کو اپنا مہمان بنایا۔ جب رحمت عالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا اور چند ماہ بعد مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت ابوحذیفہؓ کو ان کے میزبان حضرت عبادؓ بن بشر ہی کا دینی بھائی بنایا۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق و باطل کا پہلا معرکہ بدر کے میدان میں برپا ہوا تو حضرت ابوحذیفہؓ ان تین سو تیرہ نفوس قدسیہ میں سے ایک تھے جنہیں اِس تاریخ ساز موقع پر سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری طرف پرستارانِ باطل کی قیادت حضرت ابوحذیفہؓ کے باپ عتبہ بن ربیعہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا دوسرا بیٹا ولید، بھائی شیبہ اور نواسہ حنظلہ بن ابی سفیان تھے۔ بعض ارباب سیر نے لکھا ہے کہ عتبہ کی دلی خواہش تھی۔ کہ کسی طرح لڑائی ٹل جائے۔ چنانچہ اس نے حکیم بن حزام کو یہ پیغام دے کر ابوجہل کے پاس بھیجا کہ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے ابن عم (رسول اکرم ﷺ) کے مقابلے سے ہٹ جائیں۔ ابوجہل یہ پیغام سن کر بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا کہ عتبہ کا ایک بیٹا (ابوحذیفہؓ) محمد ﷺ کے لشکر میں ہے وہ اس بناء پر لڑائی سے جی چراتا ہے کہ کہیں اس کا بیٹا مارا نہ جائے۔

حکیم بن حزام نے واپس جا کر عتبہ کو ابوجہل کے ردِعمل سے آگاہ کیا تو اس نے کہا لوگ دیکھ لیں گے کہ لڑائی کی نوبت آئی تو بزدلی کا داغ کون اُٹھاتا ہے۔ اس کے بعد عتبہ نے ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر قریش کے سامنے ایک زوردار تقریر کی جس میں ان کو لڑے بغیر واپس جانے کی تلقین کی۔ لیکن ابوجہل اور دوسرے جنگ پسند مشرکین نے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو عتبہ نے ابوجہل کے طعنے کو عملاً ثابت کرنے کیلئے اپنے فرزند ابوحذیفہؓ کو مقابلے کیلئے للکارا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ خود حضرت ابوحذیفہؓ نے جوشِ ایمانی سے بیقرار ہو کر اپنے باپ کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت ابوحذیفہؓ کی ہمشیرہ ہند بنت عتبہ باپ کے ساتھ آئی تھیں۔ انہوں نے بھائی (ابوحذیفہؓ) کو باپ اور دوسرے اقرباء کے سامنے شمشیر بکف دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو گئیں اور بھائی کی مذمت میں یہ شعر کہے۔

الا حول الا ثعل المشئوم طاهره اما شکرت أبا دباک فی صغر

ابو حذیفة شر الناس فی الدین حتی اشببت شبابا غیر محجون

(بھینگا، بڑے، دانت والا، جس کا طائر بخت تخت منحوس ہے یعنی ابوحذیفہ جو دین میں سب سے بُرا ہے، کیا تو اپنے والد کا شکر گزار نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی)

باپ نے بیٹے کے مقابلے پر آنے سے پہلو تہی کی یا بیٹے نے باپ کی دعوتِ مبارزت کو قابلِ التفات نہ سمجھا۔ دونوں کے درمیان مقابلہ نہ ہوا۔ البتہ عتبہ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا مشرک بیٹا ولید، بھائی شیبہ اور نواسہ حنظلہ بھی لڑائی میں کام آئے۔ لڑائی کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے مشرکین کی لاشوں کو ایک اندھے کنویں میں دفن کرایا تو وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

غزوہ بدر میں قریش کے جو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوئے ان میں عم رسولؐ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ عباسؓ درپردہ مسلمان ہو چکے تھے یا دل سے مسلمانوں کے خیرخواہ تھے اور مشرکین کے مجبور کرنے پر بادلِ نخواستہ لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ سرورِ عالم ﷺ کو حقیقت حال کا علم تھا۔ اِسی بناء پر حضور ﷺ نے لڑائی سے پہلے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ بنو ہاشم اور کچھ دوسرے لوگوں کو زبردستی ہمارے مقابلے پر لایا گیا ہے۔ ورنہ وہ ہم سے قطعاً لڑنا نہیں

چاہتے تھے لہٰذا اثنائے جنگ میں اگر ہاشمیوں میں سے کوئی شخص تمہارے ہاتھ آ جائے تو اس کو قتل نہ کرنا۔ ابوالبختری بن ہشام (جس نے شعب ابی طالب کا محاصرہ توڑنے میں نمایاں حصہ لیا تھا) کی بھی جان نہ لینا اور بالخصوص میرے چچا عباس کے قتل سے باز رہنا کیونکہ وہ سخت ناگواری کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوحذیفہؓ کا جوش ایمان انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور ان کے نزدیک حق کے مقابلے میں خونی اور نسبی تعلق اور رشتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے سرورِ عالم ﷺ کے ارشاد کو اچھی طرح نہ سمجھا اور بول اُٹھے۔

''یہ حق اور باطل کا مقابلہ ہے اگر ہم حق کی خاطر اپنے باپ، بھائی، بیٹے اور دوسرے اقرباء سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم سے کیوں کریں، بخدا اگر میں نے عباس کو پا لیا تو ان کو لقمہ شمشیر بنائے بغیر نہ رہوں گا''۔

حضور ﷺ کو حضرت ابوحذیفہؓ کے اس قول کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمر فاروقؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''ابوحفص! تم نے ابوحذیفہ کی بات سنی۔ کیا میرے چچا کا چہرہ قتل کے لائق ہے؟''

حضرت عمرؓ کو جوش آ گیا اور عرض کی، ''یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ابوحذیفہ کی گردن اڑا دوں''۔

لیکن رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ایسا کرنے سے باز رکھا کیونکہ حضرت ابوحذیفہؓ آپ کے نہایت مخلص اور جانثار صحابی تھے۔ یہ جملہ اتفاقیہ (غلط فہمی کی بناء پر) ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔

ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابوحذیفہؓ کہا کرتے تھے کہ یہ گستاخانہ کلمہ جو غلطی سے میری زبان سے نکل گیا تھا میں اس سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا کہ معلوم نہیں اس کا کیا وبال مجھ پر پڑے اور میں یقین کرتا تھا کہ صرف راہِ حق میں جان قربان کرنا ہی اس غلطی کا کفارہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوحذیفہؓ کی یہ پشیمانی ان کے اخلاص فی الدین اور حب رسولؐ کی آئینہ دار تھی۔ اگرچہ حضور ﷺ نے ان کو بالکل معاف کر دیا تھا لیکن ان کے دل میں اپنی بات کا کانٹا ہمیشہ کھٹکتا رہتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن ان کی تمنائے شہادت بھی پوری کر دی۔

بدر کے بعد حضرت ابوحذیفہؓ دوسرے تمام اہم غزوات میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور ہر معرکے میں نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی ۔ ۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ نے وصال فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اُٹھے ۔ اِس پر آشوب زمانے میں حضرت ابوحذیفہؓ نے بڑی سرگرمی سے خلیفۃؓ الرسولؐ کا ساتھ دیا اور مرتدین کا قلع قمع کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ۔ فتنہ ردہ کے سلسلے میں سب سے خونریز لڑائی ''جنگ یمامہ'' تھی ۔ اِس میں لوہے کی لوہے سے ٹکر تھی ۔ ایک طرف بھی سخت کوش عرب تھے اور دوسری طرف بھی عرب ۔ لیکن ایک فریق اللہ اور اللہ کے رسولؐ کیلئے لڑ رہا تھا اور دوسرا مسلمہ کذاب کے دجل و تلبیس کے زیر اثر لڑ رہا تھا ۔ اہل حق کی صفوں میں حضرت حذیفہ بھی اپنے منہ بولے بیٹے حضرت سالمؓ کے ساتھ شامل تھے ۔ دونوں نے لڑائی میں ایسی جاں فروشی کا مظاہرہ کیا کہ شجاعت بھی آفرین پکار اُٹھی ۔ آخر بیشمار زخم کھا کر حق کے دونوں جانباز سپاہی جام شہادت پی کر خلد بریں میں پہنچ گئے ۔ حضرت ابوحذیفہؓ کی عمر اس وقت ۵۴ برس کی تھی ۔ وہ آرزوئے شہادت جوان کے دل میں یوم بدر سے مچل رہی تھی نو سال بعد یمامہ کے میدان میں پوری ہوگئی ۔

حضرت ابوحذیفہؓ نے اپنی زندگی میں تین نکاح کیے ۔ بیویوں کے نام یہ ہیں ۔ سہلہؓ بنت سہیلؓ، شبیتہؓ بنت یعار اور آمنہ بنت عمرو ۔ اولاد میں دو بیٹوں کا نام ملتا ہے ۔ محمد بن ابی حذیفہؓ حضرت سہلہؓ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے اور عاصم بن ابی حذیفہؓ آمنہ بنت عمرو سے پیدا ہوئے ۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ محمد اور عاصم دونوں لاولد فوت ہوئے اس لئے حضرت ابوحذیفہؓ کی نسل نہیں چل سکی ۔

حضرت ابوحذیفہ ہشیمؓ کی کتاب زندگی میں سبقت فی الاسلام، راہِ حق میں بلاکشی، اخلاص فی الدین، جذبۂ فدویت اور جوش ایمان سب سے نمایاں ابواب ہیں ۔ غلاموں پر اِس قدر شفیق تھے کہ جب ان کی اہلیہ شبیتہؓ بنت یعار نے اپنے غلام سالمؓ کو آزاد کر دیا تو اُنہوں نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور وہ لوگوں میں سالمؓ بن ابوحذیفہ کے نام سے مشہور ہوگئے ۔ لیکن جب یہ حکم

نازل ہوا ادعوھم لا بائھم (یعنی لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو) تو لوگ ان کو سالمؓ مولی ابوحذیفہؓ کہنے لگے۔

مسند ابی داؤد میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوحذیفہؓ کو حضرت سالمؓ کا اپنے گھر میں آزادانہ آنا جانا ناگوار گزرنے لگا۔ کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ سالمؓ کی اس طرح آمدورفت کہیں حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ اُنہوں نے اپنے خدشے کا اظہار حضرت سہلہؓ بنت سہیلؓ سے کیا تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

''یارسول اللہ ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور وہ بچپن سے ہمارے گھر آتا جاتا تھا لیکن اب ابوحذیفہ کو اس کا ہمارے گھر آزادانہ آنا جانا پسند نہیں ہے''، حضورﷺ نے فرمایا: ''اس کو اپنا دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا''۔

غرض اِس طرح حضرت سالمؓ، حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت سہلہؓ کے رضاعی فرزند ہو گئے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ صرف حضرت سالمؓ کیلئے مخصوص اجازت تھی ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

حضرت ابوحذیفہؓ رئیس ابن رئیس تھے اور ریاست و امارت اُن کے گھر کی لونڈی تھی لیکن اُنہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر عیش و راحت پر جفاکشی، غریب الوطنی اور فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی شخصیت ایک منارہ نور تھی اور راہ حق میں ان کی جانثاری اور دین حق سے ان کی والہانہ شیفتگی اُمت مسلمہ کیلئے تا ابد مشعل راہ بنی رہے گی۔

رضی اللہ تعالٰی عنہٗ

محترمہ عاصمہ (ناروے)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

محترمہ عاصمہ نے میرے سوالنامے کے جواب ارسال فرمائے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ میرا آبائی نام ANNE SOFIC ROALD ہے۔قبولِ اسلام کے بعد بھی میں نے اپنا نام باقاعدہ سرکاری سطح پر تبدیل نہیں کیا۔تاہم مسلمان بہنوں میں مجھے عاصمہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲۔ میں ۲۵۔اگست ۱۹۵۴ءکو ناروے کے شہر ALESARD میں پیدا ہوئی۔میرا تعلق ایک متوسط خاندان سے ہے،لیکن میرا دادا اور نانا کے خاندان خاصے امیر تھے۔میرے والد ایک سیکنڈری سکول میں کونسلر تھے جبکہ والدہ ایک ادارے میں سیکرٹری تھیں۔اب دونوں ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔میری دادی جو ہمارے ساتھ ہی رہتی تھیں، بہت مذہبی تھیں۔ہر اتوار کو پابندی سے چرچ جایا کرتی تھیں اور مقامی مذہبی تقریبات میں بھی اہتمام سے شامل ہوا کرتی تھیں۔ان کا تعلق پروٹسٹنٹ فرقے سے تھا۔میری والدہ بھی مناسب حد تک مذہبی تھیں اور مجھے ہر اتوار کو صبح نو بجے سنڈے سکول میں ضرور بھیجتی تھیں۔۔۔اِس طرح دنیاوی اور مذہبی اعتبار سے میرا خاندانی پس منظر خاصا مستحکم تھا۔

۳۔ میں آج کل جنوبی سویڈن کی LUND یونیورسٹی سے ''مذاہب کی تاریخ اور ان کا تقابلی موازنہ'' پر پی ایچ ڈی کر رہی ہوں۔تحقیق کا یہ کام سویڈن کے ایک تحقیقاتی ادارے SAREL کے اہتمام سے ہو رہا ہے۔اُستاد کی حیثیت سے میری ملازمت ثانوی تعلیم کے ایک ایسے محکمے سے ہے جو تعلیم بالغاں کا کام بھی کرتا ہے۔

۴۔ میرا اسلام سے ابتدائی تعارف ۱۹۸۱ء میں اس وقت ہوا جب میں نے ناروے کی اوسلو یونیورسٹی میں ''تقابل ادیان'' کے ایک پروگرام میں شرکت کی۔اسلام کے بارے میں سب سے پہلے جو کتابیں مطالعے میں آئیں، وہ سب کی سب غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تھیں، اِس لئے تاثر کچھ اچھا نہ بنا۔۔۔بعد میں تحقیق کی خاطر میں نے مسلمان مصنفین کی کتب کا مطالعہ کیا تو صحیح تصویر میرے سامنے آئی۔اس سلسلے میں پہلی کتاب مولانا مودودی کی ''دینیات'' کا نارویجن

ترجمہ تھا۔اِس کے بعد سید قطب کی کتاب ''دین اسلام'' کا مطالعہ کیا۔ان دونوں کتب نے مجھے بے حد متاثر کیا اور اسلام کے بارے میں میرا ذہن بالکل واضح ہو گیا۔

۵۔ ناروے کی قومی روایت یہ ہے کہ ہر شخص پیدائشی حوالے سے خود بخود سرکاری چرچ کا رکن بن جاتا ہے اور حالانکہ لوگوں کی غالب اکثریت مذہب یا خدا پر یقین نہیں رکھتی، پھر بھی پچانوے فیصد لوگ رسمی اور روایتی طور پر چرچ سے وابستہ ہوتے ہیں۔لیکن مجھے یہ منافقت پسند نہ تھی، چنانچہ میری عمر سترہ برس کی تھی جب ۱۹۷۲ء میں میں نے متعلقہ دفتر میں جا کر چرچ سے اپنی رُکنیت ختم کرالی اور عمر کی اِس حد تک پہنچ کر قانونی طور پر ایسا کر سکتی تھی۔اِس فیصلے کا سبب یہ تھا کہ میں چرچ کی سرگرمیوں کو تیسری دنیا کے ممالک اور غریب اقوام کے خلاف ایک سازش سمجھتی تھی۔چرچ مذہب کے لبادے میں دراصل رنگ و نسل کے تعصّبات کا شکار تھا، اِس لئے میں نے اِس سے قطع تعلق ہی میں عافیت محسوس کی۔یوں بھی مجھے عیسائیت کے کسی ایک عقیدے میں بھی عقل و شعور کی کارفرمائی نظر نہ آئی۔یہ تو وہم پرستی اور دیومالیت کا ایک ملغوبہ ہے جسے کوئی باہوش شخص تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

میری عمر ۲۷ برس تھی جب ۱۹۸۲ء میں میں نے اسلام قبول کر لیا۔۔اس طرح میں دس سال تک کسی مذہب کے بغیر زندگی گزارتی رہی۔یہ الگ بات ہے کہ خدا پر میرا ایمان کبھی متزلزل نہ ہوا۔

۶۔ قبولِ اسلام کے حوالے سے میں جن مصنفین و مفکرین کی کتابوں سے متاثر ہوئی اِن کے نام یہ ہیں۔سید مودودی، سید قطب، امام حسن البنا، علامہ محمد اقبال، محمد الغزالی۔

۷۔ میرے قبولِ اسلام پر میرے والدین نے مجھے ذرا بھی پریشان نہ کیا۔خدا کا شکر ہے وہ میرے موقف کو سمجھ گئے اور اب تک میرے ان سے تعلقات معمول کے مطابق خوشگوار ہیں۔میری دوستوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔جب انہیں پتہ چلا میں مسلمان ہو گئی ہوں تو سب کو بے حد صدمہ ہوا اور سب نے فرداً فرداً مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں نے زندگی کی بدترین حماقت اور غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔چنانچہ جب میں نے محسوس کیا کہ اِن لوگوں سے دوستی میرے عقیدے اور دین کے حوالے سے نقصان دہ اور خطرناک ہے، تو میں نے سب سے قطع تعلق کر لیا۔اس طرح میں تھوڑے ہی عرصے میں یک و تنہا رہ گئی اور ہر طرف سے مخالفانہ ماحول کا سامنا

کرنا پڑا۔لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں پریشان نہ ہوئی اور مضبوطی سے اپنے موقف پر ڈٹی رہی، نتیجہ یہ ہوا کہ گھر سے باہر ساری مخالفانہ مہم تھوڑے عرصے میں دم توڑ گئی۔

۸۔ قبولِ اسلام کے بعد میری زندگی میں پہلی تبدیلی یہ آئی کہ چونکہ میں نے ''حجاب'' اختیار کرلیا، اِس لئے اپنے ہی ملک اور معاشرے میں اجنبی بن گئی۔ ہر شخص مجھے عجیب نظروں سے دیکھتا۔لیکن گزشتہ دس سال کے عرصے میں اب صورتِ حال خاصی تبدیل ہو چکی ہے۔اب میں اپنے اِس معاشرے میں، اسلامی لباس کے ساتھ، اپنے آپ کو کہیں زیادہ محفوظ اور باوقار محسوس کرتی ہوں اور عام لوگ مجھے زیادہ احترام دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تبدیلی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم اور تائید سے ہوئی ہے۔اللہ سے وابستگی اور اس کی عبادت نے بھی میری زندگی کو خوشگوار انقلابی تبدیلیوں سے بہرہ ور کیا ہے۔قبولِ اسلام کے بعد زندگی جس سکون اور پاکیزہ مقصدیت سے آشنا ہوئی، وہ بھی پہلی زندگی کے مقابلے میں بالکل نئی چیز تھی۔

۹۔ عیسائیت تو محض اتوار کا مذہب ہے(SUNDAY RELIGION)

عیسائی دنیا میں مذہب کو اتنی بلند و بالا روحانی سطح پر سجا کر رکھا جاتا ہے کہ روزمرہ زندگی پر اس کا ہلکا سا پرتو بھی نہیں پڑتا۔ اِس کے برعکس اسلام کا تعلق چوبیس گھنٹے کی انسانی زندگی سے ہے اور ہر شعبہ حیات کیلئے یہ رہنما اصول پیش کرتا ہے۔

عیسائیت دلیل اور منطق سے ماورا ایک ایسا مذہب ہے جو بے جان سی روحانی حیثیت کا حامل ہے جب کہ اسلام کی ایک ایک تعلیم عقل و شعور کے مطابق ہے، آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور ہر قسم کے حالات و ماحول میں قابل عمل ہے۔

۱۰۔ مغربی دُنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جنسی حوالے سے یہ اخلاقی قدروں سے بالکل ہی بے نیاز ہو گئی ہے اور سیاسی و اقتصادی شعبوں میں بھی اخلاقی اقدار کی چنداں پروا نہیں کی جاتی۔تیسری دنیا کے ساتھ مغرب والوں کا طرزِ عمل اس کا بیّن ثبوت ہے۔مغربی دُنیا کی دوسری بڑی خامی اِس کا خود غرضانہ طرزِ عمل ہے جو خاندان سے لے کر بین الاقوامی سطح پر ہر جگہ جاری و ساری نظر آتا ہے۔ چنانچہ توجہ سے تجزیہ کریں تو آج تیسری دنیا کی اقوام کے بیشتر مسائل کے ذمہ دار مغربی ممالک ہیں اور وہاں اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کی پشت پر یورپ کا خود غرضانہ اور بے رحمانہ رویہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔

یورپ کی تہذیبی اور فکری زندگی کی ایک محرومی یہ بھی ہے کہ یہاں کبھی کوئی جاندار مستحکم نظریہ (IDEOLOGY) کارفرمانہیں رہا۔ ایک نظریہ متعارف ہوتا ہے، دس بیس سال اِسے خوب مقبولیت حاصل رہتی ہے، پھر وہ دم توڑ دیتا ہے اور اس کی جگہ کسی نئی آئیڈیالوجی کو فروغ مل جاتا ہے۔ اور یورپ کی اقوام صدیوں سے یونہی بے یقینی اور شکوک و شبہات کے اندھروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہیں۔

اِس کے برعکس اسلام کے سماجی، تہذیبی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی نظام نے مجھے بہت متاثر کیا۔ پھر اسلام کے اصول حتمی اور آفاقی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر زمانے اور ماحول کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ بدقسمتی سے عالم اسلام میں عدل اجتماعی کی صورتِ حال خطرناک حد تک خراب و خستہ ہے، اس کے باوجود اسلامی برکات پوری اسلامی دنیا میں نظر آتی ہیں۔

اِسلام نے جبر و استبداد کے خلاف نفرت و بیزاری کا جو درس دیا ہے اور خدا کے سوا کسی سے بھی بے خوف ہونے کا جو مزاج پیدا کیا ہے میں اس سے بھی بہت متاثر ہوئی۔ اسلام صرف خوفِ خدا پر زور دیتا ہے اور ہر حال میں قوانین الٰہی کی پاسداری کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم گویا انسانی آزادیوں کا ایک روشن چارٹر ہے۔ کاش عالم اسلام میں اس اصول کی پاسداری کی جاتی تو صورتِ حال بہت ہی مختلف ہوتی۔

۱۱۔ اِسلامی دُنیا میں دعوت کا کام، میرے خیال میں، رفاہی اور اخلاقی حوالے سے کیا جانا چاہئے۔ مثال کے طور پر مردوں اور عورتوں کے گروپ بنائے جائیں اور انہیں پس ماندہ، فلاکت زدہ علاقوں میں بھجوایا جائے جہاں وہ عملی طور پر صفائی کا کام کریں، لوگوں کو صحت و صفائی کے اصول سمجھائیں اور ان کے روزمرہ مسائل کو حل کرنے میں مدد دیں۔ خصوصاً عورتیں اِس ضمن میں بہت کام کر سکتی ہیں۔ پڑھی لکھی دیندار خواتین ان پڑھ اور غریب خواتین کی کئی حوالوں سے تربیت کر سکتی ہیں انہیں خانہ داری کے بہتر اصول سمجھا سکتی ہیں، دینی تعلیمات سے آگاہ کر سکتی ہیں اور فضول رسوم و رواج کے بارے میں ان کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔

اِسی طرح اسلامی تعلیمات سے آگاہی رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے گروپ غیر معمولی تبلیغی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ وہ اگر ہدف بنا کر دیہات میں صفائی کا کام کریں اور مختلف دیہات کے درمیان صفائی کے مقابلے ہوں اور ساتھ ہی یہ نوجوان عملی اور زبانی طور پر عام

لوگوں تک دینی معلومات پہنچائیں،تو مختلف اسلامی ملکوں میں خوشگوار انقلاب آسکتا ہے۔

تعلیم یافتہ لوگوں کیلئے تبلیغ کا انداز اس سے مختلف اور دلکش ہونا چاہیے۔اِس طبقے کے سامنے ساری ممنوعات کوایک ہی بار پیش نہ کیجئے۔شدت سے بھی پرہیز ہونا چاہیے اور مشکل کے مقابلے میں آسان نقطہ نظر کوترجیح دیجئے۔خصوصاً عورتوں کو خصوصی رعایت دیجئے۔اِسلامی تعلیمات بیان کرتے ہوئے ابتدا میں چہرے کے پردے سکارف اور مکمل ساتر لباس پر زور نہ دیجئے۔عبادات کا ذکر آئے تو صرف فرائض کی بات کیجئے،نوافل پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔مکمل طور پر اسلام کے حصار میں آنے کے بعد وہ خود ہی مناسب وقت پر ان چیزوں کواختیار کرلیں گے یا کریں گی۔

تبلیغ دین کی ضمن میں یہ امر بھی ہمیں پیش نظر رکھنا چاہیے کہ خواہ ہم کتنے ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوں یا مالی اعتبار سے کسی امیر خاندان سے متعلق کیوں نہ ہوں، ہمارے رویے سے کسی تفاخر یا احساسِ برتری کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ہمیں شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں ایک ذمہ داری کے لئے منتخب کیا ہے اور اِس ذمہ داری کی نزاکتیں اور تقاضے بڑے ہی غیر معمولی ہیں۔ہمیں یادرکھنا چاہیے کہ تبلیغ دین فرض ہے اور ہمیں ایک ایک شخص تک دین کا پیغام پہنچانا ہے۔

ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ خواتین زیادہ سے زیادہ تبلیغ دین میں سرگرم ہوں۔خواتین کے ذریعے ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں تک رابطہ کرسکتے ہیں۔چنانچہ بالکل درست کہا ہے کسی نے کہ اگر تم ایک مرد کو پڑھاتے ہو تو اس کا اثر اس کی ذات تک محدود رہے گا،لیکن اگر تم ایک عورت کو تعلیم یافتہ بناتے ہو تو گویا ایک خاندان میں تعلیم کی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔

۱۳۔ ایشیا اور پاکستان کے مسلمانوں کیلئے میرا پیغام یہ ہے کہ اسلام کی طرف پلٹ آیئے، آپ کی زندگی مختلف خرابیوں سے پاک ہو کر متوازن ہو جائے گی۔علم حاصل کیجئے، تمہارے جملہ مسائل حل ہو جائیں گے۔

میری آخری اور اہم ترین گزارش یہ ہے کہ براہ کرم خواتین کو ان کا جائز مقام دیجئے۔انہیں معاشرتی امور میں حصہ دار بنایئے۔جب تک مسلمان خواتین اسلامی تعلیم کو سمجھ کر ان پر عمل نہیں کریں گے،مسلمان ممالک صحیح معنوں میں ترقی نہیں کرسکیں گے۔

مسجد نبوی ﷺ عالم اسلام کی سب سے بڑی مسجد

(عبدالوحید)

جناب حضرت محمد ﷺ نے جب مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ آمد کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ آمد مدینہ کے بعد یہ معمول تھا کہ جہاں موقع ملتا آپؐ نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی رہائش کے قریب ہی خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ وہ زمین دو یتیم بچوں سہلؓ اور سہیلؓ کی ملکیت تھی۔ آپ نے اِن کو بلا کر فرمایا کہ "میں یہ زمین قیمت دے کر خریدنا چاہتا ہوں"۔ وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ اِس خدا سے"۔ اِن یتیم بچوں نے اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن رحمت دو عالم نے یہ گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے قیمت ادا کی۔ زمین ہموار کر کے مسجد کی تعمیر شروع کی گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی مدد اور تعاون سے گارے کی دیواروں اور کھجور کی چھال سے مسجد کی تعمیر فرمائی۔ شہنشاہ دو عالم مزدوروں کے لباس میں تھے۔ صحابہ پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ آواز ملاتے اور فرماتے "اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے"۔ یہ مسجد جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہوئی ہر قسم کے تکلفات سے عاری اور اسلام کی سادگی کی مکمل تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں اور گارے کی دیواروں۔ برگ خرما کا چھپر اور کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی طرف رکھا گیا لیکن بعد از قبلہ تبدیل ہو کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل کچا اور خام تھا۔ جب بارش ہوتی تو کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نماز کیلئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی نشست گاہ پر بچھالیں۔ آنحضرت ﷺ نے اِسے پسند فرمایا اور پھر سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقّف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ اِن لوگوں کیلئے تھا جو اسلام لائے تھے لیکن گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو چکی تو شہنشاہ دو عالم نے مسجد نبوی سے متصل ہی ازواج مطہراتؓ کیلئے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ آپ کے عقد نکاح میں آ چکی تھیں اِس لئے دو ہی حجرے بنائے گئے۔ جب اور اُمہات

المومنینؓ آتی گئیں تو مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ یہ مکانات مسجد سے اِس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر مبارک باہر نکال دیتے اور ازواج مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ یہ مکانات چھ چھ۔ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو سکتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ ہوتا اور راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا سب سے زریں کارنامہ مسجد کی تعمیر و تزئین تھی۔ یہ عظیم کام صفر المظفر 88 ہجری میں ہوا۔ جب انہیں مدینہ منورہ تشریف لائے ایک سال ہوا تھا۔ یہ دور حکومت خلیفہ ولید بن عبدالملک کا تھا۔ ولید نے مسجد کی تعمیر کیلئے سونے چاندی کے سکوں سے لدی ہوئی گاڑیاں عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھجوائی تھیں۔ شام، مصر اور افریقہ سے اعلیٰ درجہ کے 80 معمار طلب کر کے مدینہ منورہ بھیجے گئے۔ جس مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو یوں لگتا تھا جیسے مسجد نبوی نہیں پورا مدینہ از سر نو تعمیر ہونے لگا ہے۔ یہ مدینہ کی از سر نو تعمیر ہی نہ تھی بلکہ ایک محبت و عقیدت کی دنیا آباد ہو رہی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان دس مقدسین سے اس پاک مسجد کی بنیاد رکھوائی جن سے وہ ہر کام میں مشورہ لیتے تھے۔ پھر 80 بیرونی معماروں اور ان کے ماتحت راج مزدوروں نے دیواریں اوپر اُٹھانی شروع کر دیں۔ اِن معماروں میں بہت سے معمار رومی اور قبطی تھے۔ طبری نے ان معماروں کی تعداد 80 سے 100 کے درمیان بیان کی ہے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ معمار بہت بڑے صناع اور ہنر مند تھے اور شہنشاہ روم نے انہیں تحفتاً ولید بن عبدالملک کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے ان معماروں کے ساتھ 40 ہزار مثقال سونا اور 40 گاڑیاں قیمتی اور نادر پتھر کی بھی بھجوائی تھیں۔ تین سال تک یہ رومی اور قبطی معمار مسجد میں کام کرتے رہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان معماروں کو بڑی شاہانہ اُجرت دی تھی۔ 10 بڑے انجینئروں نے تو تین سال میں ایک لاکھ 80 ہزار دینار وصول کئے۔ دیواروں کی بنیادوں پر پتھر بھرا گیا تھا اور ستون بھی پتھر کے تھے۔

تین سال کے بعد یہ تعمیر مکمل ہوئی۔ یاقوت کے بیان کے مطابق مسجد کا طول 200 گز تھی 200 گز تھا۔ اگلے حصہ کی پیائش پورے 200 گز تھی اور پچھلے حصہ کا طول 200 گز تھا۔ وسطی محراب کی تزئین و آرائش پر سب سے زیادہ محنت ہوئی تھی۔ یوں مسجد کے چار محراب بنائے

گئے تھے مسجد میں ایک اعلیٰ درجہ کا حوض اور فوارہ بھی بنایا گیا۔ قلقشندی بیان کرتے ہیں کہ وسطی اور درمیانی محراب اندر سے خلا لئے ہوئے یا مجوف تھا۔ سارے کے سارے ستون مرمر اور رخام کے تھے۔ رخام سب سے قیمتی پتھر ہے اور یہ پتھر ولید کے حکم سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کچھ المدائن سے منگوایا تا۔ کچھ شاہ روم نے بھیجا تھا اور کچھ مصر و افریقہ سے آیا تھا۔ ولید بن عبدالملک پورے عرصہ میں دارالحکومت میں بیٹھ کر کام کرواتا رہا۔ جب یہ کام انجام کو پہنچا تو ولید خود مدینہ منورہ آیا اور اپنی آنکھوں سے یہ پاک اور مقدس مسجد دیکھی۔

شہنشاہ دو عالم رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو آپؐ نے مسجد قبا کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اس وقت مسجد کا رقبہ 30x35 میٹر تھا۔ جب جگہ تنگ ہونے لگی تو آپ نے اس میں مزید اضافہ فرمایا۔ اس طرح تقریباً مسجد نبوی کا رقبہ اڑھائی ہزار مربع میٹر بڑھ گیا۔ بعد ازاں خلفائے راشدین کے دور میں، پھر اموی اور عباسی عہد حکومت میں مسجد نبوی میں برابر اضافے ہوتے رہے۔ عثمانی سلاطین نے بھی مسجد نبوی کی توسیع میں حصہ لیا۔ جب سعود خاندان برسر اقتدار آیا تو شاہ عبدالعزیز آل سعود۔ شاہ سعود بن عبدالعزیز۔ شاہ فیصل اور پھر شاہ خالد کے دور بادشاہت میں اضافے ہوئے۔ آخری اور موجودہ توسیع شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کی۔

8 جون 1949ء میں شاہ عبدالعزیز آل سعود نے تمام مسلم ممالک کو مسجد نبوی کی توسیع کیلئے خطوط لکھے۔ اس کیلئے عرب ماہرین تعمیرات کو دعوت دی گئی۔ 9 جولائی 1951ء کو کام کی ابتداء ہوئی اور 21 اکتوبر 1955ء کو یہ منصوبہ مکمل ہوا۔ مسجد کا رقبہ 6024 سے بڑھ کر 16326 مربع میٹر ہوگیا۔ منصوبے پر 50 ملین ریال لاگت آئی۔ شاہ خالد کے دور میں بھی مسجد نبوی کی آرائش و زیبائش پر کروڑوں ریال خرچ ہوئے۔

خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے جب 1983ء میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تو انہوں نے محسوس کیا کہ نمازیوں اور زائرین کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے 11 مئی 1983ء کو اس کے توسیعی منصوبے کی منظوری دی۔ 18 جولائی 1983ء کو کام کی ابتدا ہوئی جس سے مسجد کا رقبہ ایک لاکھ 65 ہزار 500 مربع میٹر ہوگیا۔ حج و عمرہ اور رمضان المبارک کے مہینے میں مسجد نبوی کے اندر 10 لاکھ سے زائد افراد سما سکتے ہیں۔

نئے منصوبے کے تحت مسجد کی موجودہ عمارت سے متصل اس کے شمال، مشرق اور مغرب میں ایک نئی عمارت بنائی گئی جس کا رقبہ 82 ہزار مربع میٹر ہے اور اس میں ایک لاکھ 37 ہزار نمازیوں کیلئے گنجائش ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی کے گراؤنڈ فلور مجموعی رقبہ 98 ہزار 500 مربع میٹر ہے۔ اس کے علاوہ توسیع شدہ عمارت کی چھتوں کی بھی نماز کے قابل بنایا گیا ہے جس کا رقبہ 67 ہزار مربع میٹر ہے اور اس میں 90 ہزار افراد کی گنجائش ہے۔ توسیع شدہ عمارت میں تہ خانہ بھی بنایا گیا ہے جو ائر کنڈیشنگ مشینوں وغیرہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مسجد نبوی کے کل دروازوں کی تعداد 59 ہے جن میں 14 مرکزی دروازے شامل ہیں۔ 1۔ باب السلام۔ 2۔ باب ابوبکر الصدیق۔ 3۔ باب الرحمت۔ 4۔ باب الہجرہ۔ 5۔ باب جبرائیل۔ 6۔ باب النساء۔ 7۔ باب قبا۔ 8۔ باب عمر بن الخطاب۔ 9۔ باب عثمان بن عفان۔ 10۔ باب علی بن ابی طالب۔ 11۔ باب عبدالمجید۔ 12۔ باب عبدالحمید۔ 13۔ باب الملک سعود۔ 14۔ باب الملک فہد۔

مسجد نبوی کی چھت پر جانے کیلئے بنائے گئے زینوں تک جانے اور ان سے نکلنے کیلئے 8 دروازے بنائے گئے ہیں۔ ہر مینار کی اونچائی 99 میٹر ہے اور مینار کے اوپر بنے ہوئے 6 میٹر ہلال سمیت یہ اونچائی 105 میٹر ہوگئی ہے۔ مسجد کے صحن میں 18x18 میٹر رقبے کی 27 برجیاں بنائی گئی ہیں۔ یہ برجیاں دراصل متحرک چھتیں ہیں۔ جنہیں آٹومیٹک طریقے سے کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ مسجد کے قریب سڑکیں انڈر گراؤنڈ کار سٹینڈ۔ تجارتی و سرکاری عمارتیں اور زائرین کیلئے دیگر سہولتیں جیسے وضو خانے اور طہارت خانے بنائے گئے ہیں۔ مسجد کے اردگرد میدانوں کا رقبہ 2 لاکھ 35 ہزار مربع میٹر ہے جن پر سنگ مرمر لگایا گیا ہے اور مختلف رنگ کے محرابی نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔

مسجد نبوی کو ائر کنڈیشننگ کے ذریعہ ٹھنڈا رکھنے کا غیر معمولی انتظام ہے۔ اس کیلئے 140 یونٹ کام کرتے ہیں۔ برقی نظام، مائیک سسٹم اور اندر کے حصہ کی نگرانی کیلئے مراکز ہیں جہاں مسجد نبوی کے تمام حصوں کو کیمروں کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ نئے توسیعی منصوبے میں مسجد نبوی سے سات کلومیٹر دور ائر کنڈیشن اور بجلی گھر بنائے گئے ہیں۔ یہ سٹیشن 70 ہزار مربع میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ جدید توسیع کے بعد مسجد نبوی دنیا کی سب سے بڑی اور خوبصورت ترین مسجد بن گئی ہے۔

سرزمین موسیٰ

(مولانا محمد الیاس اظہر الازہری)

نیل جو شمال کی طرف بہتا ہے

2-12-89 آج پروگرام بعض دیگر وفود کے نہ پہنچنے کی وجہ سے نہ شروع ہو سکا اس لئے ہم تین ساتھیوں (فاروقی صاحب، حافظ اشفاق صاحب اور راقم الحروف) نے نیل کی زیارت کا پروگرام بنایا اور "بعوث" کے سپاٹ سے اومنی بس پر 10 قرش فی کس کے حساب سے ہوٹل ہلٹن کے سامنے اُتر کر ہوٹل کے پچھواڑے دریائے نیل کا نظارہ کیا۔ دریائے نیل کے اِس حصے میں دو پل تھے چنانچہ ہم نے پروگرام بنایا کہ دائیں طرف سے دریا پار کرتے ہیں اور واپسی بائیں طرف والے پل سے کریں گے۔ لہٰذا ہم پیدل پل کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے چونکہ شمال سے جنوب کی طرف ہوا چل رہی تھی اِس لئے پہلی بار معلوم نہ ہو سکا کہ دریا کے پانی کا بہاؤ کدھر ہے۔ اکا دُکا لانچ چل رہی تھی۔ دوسرے کنارے پر اُترے تو پل کے ساتھ ہی باغیچے میں ایک خوبصورت مسجد میں نماز ادا کی۔ امام کلین شیو تھا اِس لئے میرے ساتھیوں کو ذرا سی ہچکچاہٹ ہوئی مگر پھر نارمل ہو گئے۔ مسجد کے دروازے پر مرمریں کتبہ نصب تھا "مسجد الجزیرہ" یہ مسجد خدیو مصر اسماعیل نے 1876ء میں بنوائی تھی۔ اِس کی دوبارہ تعمیر 1845ء میں سابق مصری بادشاہ فاروق نے کروائی۔ ہم دریائے نیل کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ لانچوں کے اڈے دیکھتے ہوئے جنوب کی طرف والے پل کی طرف بڑھنے لگے یہاں ایک بہت بڑا "ٹاور" ہے جس پر سیاح ٹکٹ کے ذریعے اوپر چڑھ کر قاہرہ کا نظارہ کرتے ہیں۔ دریا کے کناروں پر درختوں کے نیچے پتھر کے بنچ ہیں جن پر نوجوان جوڑے سر نہوڑائے سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں یا کچھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دُنیا مافیہا سے بے خبر محوِ سفر محو گفتگو ہیں۔ کسی شخص کو ان کی تنہائی میں مخل ہونے کی جرات خلاف ادب سمجھی جاتی ہے اور اپنے آپ کو گنوار کہلانے کے مترادف ہے۔ جنوبی پل عبور کر کے سارع الازہر کے ذریعے جامع الازہر کی پہلی بار زیارت کی۔ نمازِ مغرب جامع الازہر میں کلین شیو امام شیخ رمضان کے پیچھے پڑھی۔ یہ شیخ بائیں آنکھ سے معذور تھا۔ نماز کے بعد مصافحہ کرنے پر معلوم ہوا کہ داہنے ہاتھ کی درمیانی اُنگلی تیسری

اُنگلی سے اس طرح پیوست ہے کہ جڑنے کے بعد تلوں کی پھلی کی طرح چپٹی سی ہوگئی تھیں۔نماز کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ مذکور کر لیکچر سنا جو اتباع سنت کے موضوع پر تھا اور پھر بذ ریعہ بس واپس اپنے ہاسٹل پہنچ گئے۔

قاہرہ کا قدیم قبرستان

3-12-89 آج بھی پروگرام شروع نہ ہوسکا البتہ ہمارے پاسپورٹ اور ٹکٹیں لے کا بطاقہ جات بنا کر دے دیئے گئے۔فاروقی صاحب اور راقم نے ان پر اسرار میناروں اور گنبدوں کی حقیقت معلوم کرنے کی ٹھانی جو ہمارے کیمپس کے بالکل جنوب مشرقی یعنی بجانب قبلہ واقع تھے اور وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔پہلے ہم انہیں از ہر شریف کا حصہ سمجھتے رہے مگر جب پیدل چل کران کی سیاحت کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو قاہرہ کا قدیم اور عظیم قبرستان ہے۔قبرستان کیا یہ تو پورا شہر ہے مگر شہر خموشاں سے زیادہ شہر ناطقاں معلوم ہوا کیونکہ اس کی صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ بے شمار احاطے ہیں جن کے داخلے کے گیٹ مقفل ہیں۔اندر چند چبوترے یا مستطیل قبریں ہیں مین گیٹ کی پیشانی پر''مدفن فلان واسرتہ'' (یعنی فلاں شخص اور اس کے خاندان کا مقبرہ) کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔یہ تمام علاقہ مقام عبرت ہے۔پہلے تو ہم انہیں آثار قدیمہ سمجھے اور آپس میں تبصرہ کرتے رہے کہ پتہ نہیں کونسی قوم کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات ہیں کیونکہ گنبد اور مینار بھی مرورِ زمانہ سے سیاہ ہوچکے تھے ہم انہیں بالکل ٹیکسلا یا موہنجوڈارو کے آثار کی طرح ہی سمجھے مگر بہت جلد پھرتے پھراتے ایک بڑے میاں سے ملاقات ہوگئی جو اسی قبرستان کی گلیوں میں سے ایک گلی میں اٹیرن پر سوت کات رہے تھے اور ان کے قریب ہی چند ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے ایک دو ٹیڈی بکریاں اور کتورے بھی آس پاس منڈلا رہے تھے۔ہم نے بڑے میاں سے پوچھا کہ یہ عمارات کیا ہیں؟ تو انہوں نے ہمیں تعجب سے دیکھ کر بتایا کہ یہ قاہرہ کا قبرستان ہے۔ہم یکے بعد دیگرے اِن مقابر کو دیکھتے رہے اور آگے چلتے رہے جگہ جگہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پڑی ہوئی تھی۔قبروں کی بے حرمتی پر دل بہت کڑھتا تھا۔ایک جگہ اونچی چار دیواری تھی اندر کچھ درخت بھی تھے دروازے پر فوجی پہرے دار کھڑے تھے اور صدر دروازے پر لکھا تھا''مقابر الشہدا'' ہم بلا سوچے سمجھے اندر داخل ہونے لگے کہ شہیدوں کے مزار پر فاتحہ خوانی

کر لیں مگر فوجی نے ہمیں روکا لیکن ہم نے اِسے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور پاکستانی علماء ہیں جو ازہر شریف میں آئے ہوئے ہیں اور اندر شہیدوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنا چاہتے ہیں تو اِس نے ہمیں اجازت دے دی۔ اندر فوجی شہدا کی قبریں ہیں اور ان ہی میں ایک قبر جنرل نجیب کی بھی ہے۔ کچھ یادگاریں "جندی المجہول" یعنی گمنام فوجیوں کی بھی ہیں۔ ہم نے فاتحہ پڑھی اور باہر آ گئے مزید جنوب مشرق کی جانب آگے بڑھے تو دو عالیشان بڑے گنبد اور درمیان میں چھوٹا گنبد دو اونچے چوکور مینار نظر آئے تو اندر جانے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک مصری راہ گیر سے پوچھا تو وہ بقلم خود ہمیں اندر چھوڑ گیا۔

ہم جوتے اُتار کر اندر داخل ہو گئے اور اس ہیبت ناک عمارت کے بارے میں تبصرے کر رہے تھے کہ ایک ڈراہوا نوجوان مصری جو وہاں کا کارندہ معلوم ہوتا تھا ہماری طرف بڑھا اور ہمیں ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ اِس کے ہاتھ میں ایک رسید بک تھی ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ شاید یہ پیسے مانگے گا مگر اس نے ہماری قومیت پوچھی اور دریافت کیا کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؟ کیونکہ وہ ہماری ڈاڑھیوں کی وجہ سے ہمیں سکھ سمجھ رہا تھا جس پر ہمیں غصہ بھی آیا مگر چونکہ مصری علماء میں بھی ڈاڑھی رکھنے کا رواج نہیں اس لئے اِسے معذور سمجھا۔ بہر حال اس نے ہمارے مسلم ہونے کا یقین ہو جانے پر زیارت کرانے کی پیشکش کی جو ہم نے قبول کر لی۔ مگر دوران زیارت بار بار اِس کی خوشامد بھری آواز میں تعریف بھی کرتے رہے تا کہ زیارت کروانے کے بعد پیسے نہ مانگ لے۔ دراصل وہ محکمہ آثار قدیمہ کا ملازم تھا اور آنے والے سیاحوں کو ٹکٹیں دینا اور ان کی راہنمائی کرنا اس کی ڈیوٹی تھی۔ بڑے دروازے سے اندر در حقیقت مسجد اور مزارات ہیں۔ مسجد بہت بڑی ہے اس کے تین گنبد ہیں داہنے گنبد کے نیچے ملکہ اس کی بیٹی اور خادمہ کی قبریں ہیں۔ بائیں گنبد کے نیچے سلطان فرج بن برقوق اس کے بیٹے اور خادم کی قبور ہیں۔ درمیانی گنبد کے نیچے خوبصورت محراب اور پتھر کا عظیم منبر ہے۔ نوجوان نے مینار کا تالا کھول کر پوچھا "مذنہ" دیکھو گے؟ یعنی مینار پر چڑھ گئے؟ ہم نے کہا اندھا کیا چاہئے؟ پھر خود ہی جواب دیا "آنکھیں" اور مینار پر چڑھ کر دنیا کے فانی ہونے اور مصری تہذیب کا جی بھر کر نظارہ کیا۔ پھر نیچے اُتر کر باہر آ گئے۔ مین گیٹ کے پاس ایک بورڈ نصب تھا جس پر شیشہ چڑھا ہوا تھا اور اس پر مندرجہ ذیل تحریر عربی میں لکھی تھی۔

''مدرسہ اور خانقاہ فرج بن برقوق'' اِس خانقاہ اور مدرسہ کو سلطان ملک ابوالعدالت فرج بن برقوق نے 801ھ تا 813 بمطابق 1398 تا 1411ء میں بنوایا اور اسے صوفیا کرام کی چلہ کشی اور چاروں مذاہب کی تدریس کیلئے مخصوص کیا۔نیز ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تا کہ اس میں فرض نمازیں ادا کی جا سکیں۔آج کے دن میں صرف اتنی ہی سیاحت ہوسکی اس لئے تھکے ماندے واپس ہاسٹل پہنچے۔

قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی

89-12-5 آج بعد از نماز ظہر فاروقی صاحب اور راقم قلعہ صلاح الدین ایوبی اور مسجد محمد علی پاشا کی زیارت کو گئے۔قلعہ میں داخلہ کا ٹکٹ اڑھائی مصری پاؤنڈ ہے مگر سٹوڈنٹ کارڈ نے کام دکھایا اور نصف رعایت پر اڑھائی پاؤنڈ میں دو ٹکٹیں خرید کر قلعہ کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔یہ قلعہ جبل مقطم کی چوٹی پر واقع ہے۔قلعے کے اندر بائیں طرف مسجد محمد علی پاشاہ ہے جو مسجد ایاصوفیا استنبول کے نقشے کے مطابق ہے۔اس کے علاوہ ترکوں کے دیگر آثار بھی ہیں۔مسجد محمد علی قابل دید عمارت ہے۔مسجد کے بڑے دروازے کے دائیں طرف محمد علی پاشا کا سنگ مرمر کا بنا ہوا بہت اونچا اور پرشکوہ مزار ہے۔ہم نے وہاں فاتحہ پڑھی نماز عصر بھی باجماعت ادا کی۔یہ مسجد اس سنگ مرمر سے بنوائی گئی ہے جو محمد علی نے فرعون ساموع کے ھرم سے اکھڑ وایا تھا اِس لئے ساموع کے ھرم کی چوٹی پر تو سنگ مرمر باقی ہے مگر نیچے سے اتر والیا گیا ہے۔یہ مسجد محمد علی نے 1815ء کو شروع کی جو 1830ء میں مکمل ہوئی اِس طرح اِس کی تعمیر میں 15 برس لگے۔دائیں طرف قلعے کے اندر مسجد سلیمان پاشا اور مسجد سلطان محمد بن قلاوون اور اس کے پچھواڑے میں بیر یوسف ہے۔اندر ایک عجائب گھر کا نام ''**متحف الجوہر**'' اور دوسرے کا ''**متحف القوات المسلحه مصریه**'' ہے۔متحف الجواہر میں محمد علی پاشا کے دور کی اشیاء اور محمد علی کی پوری کابینہ کے بت اصلی فرشی نشست کی صورت میں رکھے گئے ہیں۔نیز قرآن پاک کے متعدد نسخے اور غلاف کعبہ کے ٹکڑے اور کئی دیگر تبرکات رکھی ہیں۔جبکہ متحف القوات المسلحہ مصریہ میں جدید مصری افواج کے تمام ہتھیار حتیٰ کہ ہوائی جہاز اور ٹینک وغیرہ بھی ترتیب وار رکھے ہیں۔نیز مسلح افواج کے کارنامے بھی ساتھ ہی لکھے ہوئے ہیں۔عربی، فرانسیسی اور انگریزی میں۔بیر یوسف کا دروازہ بند اور تالا زنگ آلودہ تھا۔اصل حقیقت معلوم نہ ہوسکی بعض کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا کھدوایا ہوا کنواں ہے جو آج کل خشک

ہو چکا ہے اور بعض کے نزدیک وہ بجن یا قید خانہ ہے جس میں زلیخا نے حضرت کو قید کیا تھا۔واللہ اعلم بالصواب قلعے کے جنوب مشرقی کونے میں حضرت ساریۃ الجبلؓ مشہور صحابیؓ کی قبر ہے۔(یہ وہی صحابی ہیں جنہیں حضرت عمرؓ نے دوران خطبہ مدینہ منورہ سے ہدایت دی تھی کہ یا ساریۃ الجبلؓ۔یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھوتو اُنہوں نے پلٹ کر دیکھا تھا کہ دشمن پشت سے حملہ آور ہونا چاہتا تھا مگر آپ اِس کرامت کے بعد سنبھل گئے) قبر دومنزلہ ہے اوپر کی منزل جو سطح فرش کے برابر ہے۔اِس میں ایک لکڑی کا تابوت رکھ کر اس پر سبز چادر لپیٹی گئی ہے اور اِس پر لکھا ہوا ہے ''مقام سیدی ساریۃ الجبلؓ اصل قبر نیچے تہ خانے میں ہے۔ہم نے کنڈی کھولی اور اندر اندھیرے میں جا کر حضرتؓ کی گردآلود تربت پر فاتحہ پڑھی۔ان کے احاطے میں مزید ان صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی اجتماعی قبر بھی ہے جو فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر کی فتح کے دوران شہید ہوئے تھے۔حضرت ساریہؓ کے مزار سے ایک تسبیح بطور تبرک حاصل کی جو آج بھی میرے پاس ہے۔یہاں دوبارہ فاتحہ پڑھی اور اپنی والدہ مرحومہ کیلئے بھی دُعائے مغفرت کی۔ اِسی احاطے میں بادشاہوں اور شہزادوں کی قبور بھی ہیں۔مزار شریف کے باہر ذرا نیچا ایک بزرگ کا پختہ مزار ہے۔اِس پر بھی فاتحہ پڑھی یہاں سے فارغ ہو کر ترکوں کا گھوڑوں والا عجائب گھر دیکھا اور تصاویر بھی بنائیں۔اگرچہ یہاں فوٹوگرافی منع تھی۔اِس عجائب گھر میں محمد علی پاشا مع اپنی ملکہ کے ایک بگھی پر سوار ہے اور اسکے دائیں بائیں آگے پیچھے ترک باڈی گارڈ اپنے زرق برق فوجی لباس میں ملبوس اپنے اپنے مرصع گھوڑوں پر سوار مجسموں کی شکل میں رکھے گئے ہیں۔اِس سے فارغ ہو کر ''متحف شرطہ'' یعنی پولیس کا عجائب گھر دیکھا۔جس میں پرانی جیل بھی تھی جہاں چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں میں پرانے وقتوں میں قیدی رکھے جاتے تھے۔کئی قیدی لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر لوہے کے بڑے بڑے کولوں کے ساتھ باندھے ہوئے دکھائے گئے تھے یعنی لکڑی کے مجسموں کی شکل میں۔یہاں چار بڑے بڑے ستون بھی پڑے ہوئے ہیں جو ایک بھاری چٹان کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ایسے ہی سینکڑوں ستون قلعے کی زیر زمین عمارت میں لگے ہوئے ہیں۔یہ پتھر ایسے خوبصورت اور سخت ہیں جیسے چپس کے بنائے گئے ہوں۔یہی پتھر مسجد ابن طولون، مسجد برقوق، مسجد قلادون کے ستونوں میں بھی اِستعمال ہوا ہے۔حتیٰ کہ اہرام میں بھی لگایا گیا ہے۔یہی پتھر ہم نے کوہ طور کی زیارت کے وقت وادی طوی کے پہاڑوں میں دیکھا جو کوہ

طور، جبل موسیٰ اور سینا کے عظیم پہاڑوں کا پتھر ہے۔ تعجب ہوا کہ اتنے بھاری پتھر جن سے چار چار ٹن وزنی ستون گھڑے گئے ہیں قاہرہ تک کیسے پہنچائے گئے ہوں گے؟ اس عجائب گھر سے شمال کی طرف والی دیوار کے اوپر سے پورا قاہرہ اور مصر قدیم نظر آتا ہے "مدینۃ نصر" (جو جدید قاہرہ یا قاہرہ کا قدیم قبرستان ماڈل ٹاؤن ہے) جس کے اندر تقریباً پندرہ لاکھ زندہ انسان بھی رہائش پذیر ہیں اور جسے Cith of the Dead بھی کہتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے اور قلعے کی بلند و بالا فصیل سے اس قبرستان کے ہزاروں گنبد اور مینار بڑے سہانے لگتے ہیں اور مصر کی عظمت رفتہ اور اس کے اسلامی دور کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر وقت کی کمی کے پیش نظر اس قلعے کی آخری عظیم عمارت کو دیکھنے کا پروگرام بنایا گیا۔ یعنی خارجہ بھی اللہ کے گھر یعنی مسجد محمد بن قلادون کی زیارت شروع کی گئی۔ اس مسجد کی وہی عظمت اور وہی خوبصورتی ہے جو ممالیک سلاطین کی دیگر مساجد کی ہے۔ اس کے باہر نصب بورڈ پر یہ عبارت عربی اور انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔

"جامع الناصر محمد بن قلادون" جسے سلطان الناصر محمد بن قلادون جو سلاطین ممالیک البحریہ میں سے ایک تھا نے 735 ہجری بمطابق 1335 عیسوی بنوایا اور اسے بے شمار فنی اور جمالیاتی عناصر سے مزین کیا۔ مسجد کے مندرجہ ذیل پانچ حصے ہیں جو اسی بورڈ پر لکھے گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک نقشہ دیا گیا ہے تاکہ سیاحوں اور زائرین کو سہولت رہے۔ (۱) مدخل یعنی داخلے کا بڑا دروازہ جو شاہی قلعے کے عالمگیری دروازے کی طرح لکڑی کا ہے (2) اس کے آگے ڈیوڑھی جسے "ایوان" لکھا گیا ہے۔ (3) "صحن مکشوف" یعنی کھلا صحن جیسے بادشاہی مسجد لاہور میں ہے۔ (4) "قبۂ فوق المحراب" یعنی محراب کے اوپر عظیم گنبد جو ٹنوں وزنی چار عظیم ستونوں پر ایستادہ ہے۔ (5) "مذنثین" یعنی دو بڑے بڑے مینار ان میناروں کو عربی میں "مذنہ" یعنی اذان دینے کی جگہ کہتے ہیں جو عربی لغت کے لحاظ سے ظرف مکان ہے۔

یہ قلعہ جبل مقطم کی چوٹی پر بنایا گیا ہے جو بہت بلندی پر ہے۔ اسے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بنوایا تھا اسی لئے اس کا نام "قلعہ صلاح الدین ایوبی" ہے۔ اسی جبل مقطم کی کسی گہرائی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی آخری وصیت کے مطابق تدفین ہوئی تھی۔ ہم نے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی غرض سے بہت کوشش کی مگر ان کے مزار پر انوار کا کوئی اتہ پتہ نہ لگ

سکا اور صرف اِس عظیم پہاڑ کی گہرائیوں کو اپنی پیاسی نگاہوں اور چند آنسوؤں کے پھول اور فاتحہ شریف کا نذرانہ پیش کر سکے۔

مجری العیون

قلعہ صلاح الدین کے ساتھ اگر آب رسانی کے متعلق بھی تھوڑا سا ذکر ہو جائے تو مناسب ہوگا۔ دریائے نیل کی مشرقی شاخ جو جزیرہ روضہ کے مشرق میں ہے۔ یہاں دریائے نیل پر ایک بڑا پل ہے جسے ''کوبری ملک صالح'' کہتے ہیں۔ اِس پل سے شمال مشرق کی طرف دریا کے کنارے چلیں تو تھوڑی دور آگے دائیں جانب ایک بڑی سڑک شروع ہوتی ہے۔ یہاں پر جو چوک سا بنتا ہے اِسے ''مجری العیون'' یعنی چشموں کے جاری ہونے کی جگہ کہتے ہیں اپنے دوست فضل محمد سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دراصل اس جگہ سے دریائے نیل کا پانی بذریعہ ایک پختہ ''قناۃ'' کے قلعہ صلاح الدین میں پہنچایا جاتا تھا۔ عربی میں ''قناۃ'' چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ اب قلعہ چونکہ بلندی پر تھا اور دریا بہت نیچے لہٰذا آپ متعجب ہوں گے کہ پہاڑ کی چوٹی پر نہر کیسے پہنچی ہوگی مگر ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اِس نہر کو قلعہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ جو اگرچہ آج کل پانی سے خالی تھی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اب واٹر سکیم کے تحت پائپوں کے ذریعے پورے قاہرہ کو بشمول قلعہ صلاح الدین پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اِس فرسودہ نہر کی افادیت ختم ہوگئی مگر چونکہ یہ بھی ایک اسلامی ثقافتی ورثہ تھا اس لئے محکمہ آثار قدیمہ نے اِسے بھی محفوظ کر لیا ہے۔

صورت حال کچھ اِس طرح تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ''مجری العیون'' کے مقام سے قلعہ تک ایک عظیم دیوار پتھر سے تعمیر کروائی لیکن اِس میں یہ فنی خوبی رکھی گئی کہ دیوار کی چوٹی قلعہ سے لیکر دریائے دریائے نیل تک قلعہ کی جانب تھوڑی سی نشیب بناتی ہو یعنی دیوار نیل کی طرف سے اونچی اور قلعہ کے صحن کی طرف سے قدرے ڈھلوان نما ہے۔ اب اس دیوار کی چوٹی پر ایک پختہ کھال بنوائی گئی اور نیل کے ساحل سے بذریعہ لفٹنگ پمپ یا جھلار کے پانی دیوار پر پھینکا جاتا وہاں سے اس کھال کے ذریعے قلعہ میں پہنچ جاتا۔ یہ دیوار ''مجری العیون'' کے مقام پر تقریباً بیس فٹ اونچی ہوگی۔ جبکہ قلعہ کے پاس اس کی اونچائی تین فٹ ہوگی۔ اِس دیوار کو مضبوط بنانے کیلئے جگہ جگہ محرابی ڈاٹیں بنائی گئی ہیں۔ اِس کی لمبائی نیل سے قلعہ تک کئی میل ہے۔ آج کل چند

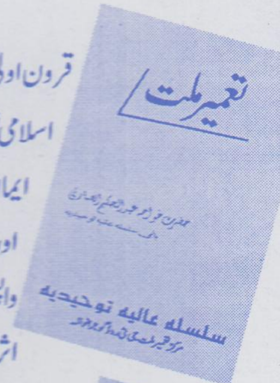
ایک مقامات سے اِسے توڑ کر سڑکیں گذاری گئی ہیں مگر باقی پوری دیوار بالکل ٹھیک حالت میں ہے۔شاید اِس کی طرف بہت سے سیاح توجہ نہ دیتے ہوں۔کیونکہ اکثر لوگ صرف اہرام اور فرعونی تہذیب دیکھنے آتے ہیں میں نے ایک اسلامی ورثہ سمجھ کر اِسے خوب دیکھا اور کئی بار دیکھا۔اِس لئے اس کا تذکرہ ضروری تھا۔

قاہرہ کی مشہور مساجد

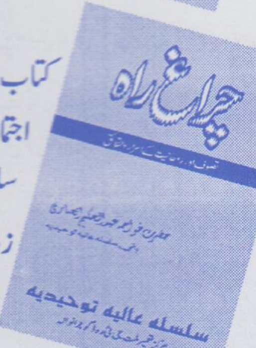
قاہرہ کی تمام مساجد محکمہ اوقاف کے تحت ہیں بلکہ پورے مصر کی مساجد حکومت کی ہی کنٹرول میں ہیں۔صرف معدودے چند اِس سے مستثنٰی ہیں۔اِسی لئے وہاں فقہی اختلاف کے باوجود فرقہ بندی اور تکفیر بازی بالکل نہیں۔ہر مسجد میں ایک ریڈیو سٹ اور سال بھر کا اوقات نامہ حکومت کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے۔ویسے کچھ تجارتی یا مذہبی ادارے بھی اوقات نامہ مفت دیتے ہیں۔ریڈیو سنگل بینڈ کا سیٹ ہوتا ہے جسکا تعلق صوت القرآن والے چینل سے ہوتا ہے۔اذان سے قبل ریڈیو پر تلاوت نشر ہوتی ہے۔پھر ریڈیو اور ٹی وی اذان نشر ہونا شروع ہوتی ہے تو تمام مساجد میں بیک وقت سارے مؤذن ریڈیو بند کر کے خود اذان دینا شروع کر دیتے ہیں۔مساجد کی زیارات میں سب سے پہلے جامع ازہر کے متعلق لکھا جاتا ہے کیونکہ ہم ازہر شریف کے مہمان اور طالب عالم تھے اور مصر کی شہرت صرف ازہر شریف ہی کی بدولت ہے ورنہ تو غیر اسلامی آثار قدیمہ سے ہندوستان، پاکستان، چین، عراق اور افریقہ کے بے شمار ممالک بھرے پڑے ہیں مگر ایک ہزار سال قدیم عظیم یونیورسٹی صرف جامعہ ازہر ہی ہے۔یہ عظیم الشان یونیورسٹی جو کئی کالجوں اور معہدوں پر مشتمل ہے۔ابتدا میں ایک جامع تھی جس کی تھوڑی سی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(جاری ہے)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے ان میں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



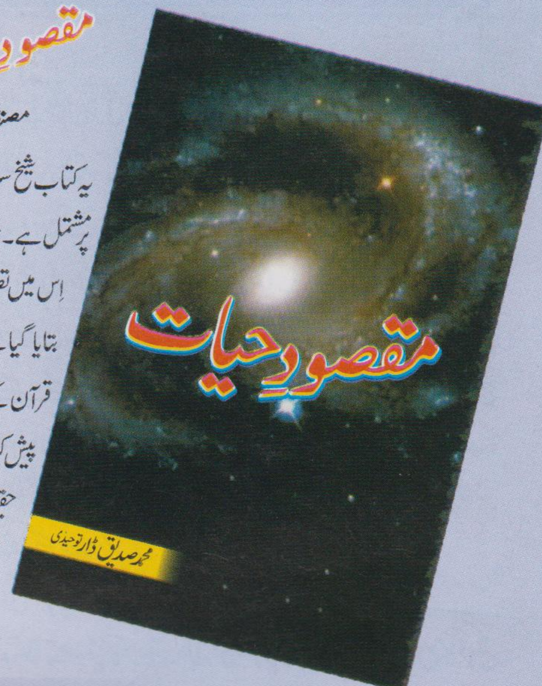
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

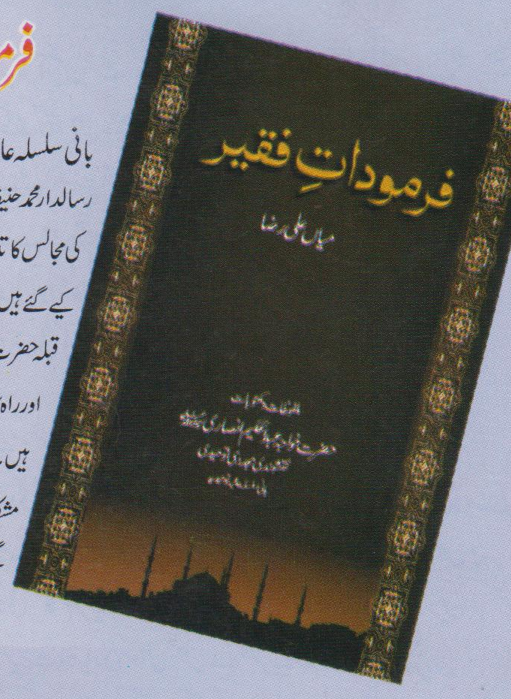


مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلا شبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرمودات فقیر

مرتب: میاں علی رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net